هفت روزہ

8/12

خدام الدین لاہور

بیادگار

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ

شیرانوالہ دروازہ لاہور

مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۶۲ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین ◎ لاہور

ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۱- عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَمَا لِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ قَالَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَکَرَ دَاوٗدَ یُحَدِّثُ عَنْہُ یَقُوْلُ کَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ۔

(رواہ الترمذی)

ترجمہ:- ابوالدرداء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام ایک دعا یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی میں تیری محبت مانگتا ہوں۔ اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھے۔ اور وہ نیک عمل جو تیری محبت پیدا کر دے۔ الٰہی میرے دل میں اپنی محبت میری جان و مال، میرے گھر بار اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیدا فرما دے۔ اور یہ بھی بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرماتے تو یہ بھی فرمایا کرتے تھے "وہ بہت بڑے عبادت گذار بشر تھے۔ (ترمذی شریف)

تشریح:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات سے کچھ یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب میں حبِ خداوندی کی آگ کس درجہ بھڑکی ہوئی ہوتی ہے — مگر محبت کا کمال یہی ہے کہ اس کے شرارے سر بفلک بھی پہنچ رہے ہوں — جب بھی ایک محب کی تمنا ہو کہ کاش یہ آتشِ محبت اور زیادہ بھڑکتی۔ بشر کی محبت یہ ہے کہ اس کا قدم جتنا محبت الٰہی کی طرف اٹھتا چلا جائے اتنا ہی وہ اس کی عبادت میں تیز گام ہوتا چلا جائے۔ اس لئے ابوالدرداء یہاں وہ کلمات بھی نقل فرماتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے برادرِ نبوت حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کی شان میں فرمایا کرتے تھے چونکہ خود عبدیت کے سب سے کامل مظہر تھے اس لئے آپ کی نظروں میں اپنے بھائی داؤد علیہ السلام کی جو ادا سب سے زیادہ پیاری معلوم ہوتی وہ ان کی عبادت ہی تھی۔ پھر آپ کی عبدیت کا دوسرا کمال یہ تھا کہ جب ان کی عبادت کا ذکر فرماتے تو اس طرح فرماتے گویا وہ اپنی نظیر خود ہی تھے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اپنی شکرگذاری کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالٰی نے خاص طور پر خطاب فرمایا تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی عبادتِ الٰہی کا ایک ایسا نظام قائم فرمایا تھا کہ شب و روز میں کوئی ساعت بھی ایسی نہ تھی جس میں کہ اُن کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد اُن کے عبادت خانہ میں عبادت کرتا ہوا نہ ملتا ہو۔ ارشاد ہے:-

اعملوا اٰل داؤد شکرا

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کبھی اپنے ان برادرِ نبوت کا تذکرہ آ جاتا تو آپ ان کی شانِ عبادت کی توصیف میں بے ساختہ رطب اللسان ہو جاتے یہ کون ہیں؟ کہ جن کی عبادت کی فرشتوں میں بھی دھوم مچی ہوئی تھی حتّٰی کہ خود معبودِ حقیقی نے جو لقب چھانٹ کر ان کو عطا فرمایا تھا وہ بھی عبداللہ کا لقب تھا سورۂ اسراء میں جب آپ کا تذکرہ فرمایا تو اسی لقب سے "سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً" اور سورۂ والنجم میں جب آسمانوں پر آپ کے ساتھ راز و نیاز کا ذکر کیا تو بھی اسی لقب سے فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ

یہ ہے اخوتِ نبوت کہ عبودیت کے اس کمال تک پہنچنے کے بعد بھی اپنی عبادت کا ایک حرف زبان پر نہیں آتا اور جتنی مدح و ثناء زبان پر آتی ہے وہ اپنے ایک برادرِ نبوت کی ہے۔

۲- عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَۃُ طَلَاقَ اُخْتِھَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَھَا وَلْتَنْکِحْ فَاِنَّ لَھَا مَا قُدِّرَ لَھَا۔

(رواہ البخاری ص ۷۷۳ و ابوداؤد وغیرہما)

ترجمہ:- ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عورت کو یہ نہ چاہیے کہ وہ دوسری عورت کی طلاق کا اس نیت سے مطالبہ کرے کہ جو اس کے نصیب کا لکھا ہے وہ بھی سب یہی حاصل کر لے، اس کو نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ جو اس کے نصیب کا ہوگا وہ اسی کو ملے گا (دوسری کو نہیں مل سکتا)

(بخاری شریف، ابوداؤد شریف وغیرہما)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

فون ۶۷۵۴۵

شرح چندہ

پاکستان وہندوستان	سعودی عرب، ایران، کویت، افریقہ ملایا۔ ہانگ کانگ۔ انگلینڈ
سالانہ:۔ گیارہ روپے	:سالانہ:
ششماہی:۔ چھ روپے	عام ڈاک سے:۔ ۱۸،۸۷ روپے
سہ ماہی:۔ تین روپے	ہوائی ڈاک سے:۔ ۵۴،۰۰ روپے
فی پرچہ:۔ ۲۵ پیسے	

جلد ۸ | ۲۴ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۶۲ء | شمارہ ۱۲

امریکہ:۔ عام ڈاک سے ۲۴ روپے، ہوائی ڈاک سے ۸۰،۸۳ روپے
بیرونی ممالک کیلئے چھ ماہ سے کم میعاد کیلئے پرچہ جاری نہیں کیا جاتے گا۔

اسلامی مشاورتی کونسل

پاکستان کے نئے آئین میں یہ درج ہے کہ پارلیمنٹ کے مشورے کے لئے ایک مشاورتی کونسل ہو گی جس کے ارکان کو صدر محترم نامزد کریں گے۔ پارلیمنٹ کسی بھی مسئلہ میں اس کونسل سے رجوع کر سکے گی۔ کونسل کو مشورہ دینے کا پورا پورا حق ہوگا۔ اگرچہ اس کونسل کی حیثیت صرف ایک مشیر کی ہوگی۔ لیکن ان کا مشورہ یا فیصلہ پارلیمنٹ کے لئے قطعی نہ ہوگا۔ آخری فیصلہ بہرحال پارلیمنٹ کے ممبروں ہی کو کرنا ہوگا۔

چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں جائز یا ناجائز ہونے کا اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ کون کریگا؟ مشاورتی کونسل کا فیصلہ بھی قطعی نہ ہو اور پارلیمنٹ کے کسی فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج بھی نہ کیا جاسکے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ پارلیمنٹ کی اکثریت کا فیصلہ قطعی ہے۔ چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز ——

اب اگر یہی صورتِ حال ہو تو یہ جمہوریت اسلامی جمہوریت نہ ہوگی۔ بلکہ جمہوریت کا بت ہوگا جس کی پوجا یورپ اور امریکہ میں کی جاتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے آئین سازوں نے اس پر اس پہلو سے غور نہیں کیا۔ ان کو بحیثیت ایک مسلمان کے یہ یقین تھا کہ اسلامی ملک کی پارلیمنٹ جو مسلمان ممبروں پر مشتمل ہو گی شریعت اسلامیہ کے خلاف کیسے رائے دے گی۔ حالانکہ اس پارلیمنٹ میں مختلف الخیال طبقات کے نمائندے شامل ہو سکتے ہیں۔

اور اگر ایک ہی فرقہ یعنی غالب اکثریت اور اہل سنت والجماعت حنفی مسلک کے ارکان ہی پارلیمنٹ کے ممبر ہوں۔ پھر بھی جب تک انتخابات میں ایسی شرائط نہ ہوں کہ قومی پارلیمنٹ کے امیدوار کے لئے اعلیٰ دینی تعلیم اور پرانے ملکی تجربہ کی ضرورت ہے، یا کم از کم یہ کہ ایک علمی و عملی معیار قائم کیا جائے۔ اس وقت تک ایسے ممبروں کی رائے کو شریعت کے مسائل میں فیصلہ کرنے کا اختیار دینا کتاب و سنت سے مذاق نہیں تو کیا ہے؟

افسوس کہ گذشتہ انتخابات میں اس قسم کی کوئی شرط نہیں تھی۔ چنانچہ ممکن ہے کہ شرابی، کبابی، جوا باز اور بدترین قسم کے آدمی بھی لاکھوں روپے خرچ کرکے اور خاندانی اثرات استعمال کرکے پارلیمنٹ میں کامیاب ہو جائیں۔ ہم کسی معزز ممبر پر اعتراض نہیں کرتے نہ کسی پر یہ الزام عائد کرتے ہیں مگر اس امکان کے پیش نظر ایسی پارلیمنٹ کو شرعی امور کا فیصلہ کرنے کا آخری اختیار دینا قرین انصاف نہیں سمجھتے۔ مزید برآں مشاورتی کونسل کے ممبروں کے انتخابات کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صدر محترم اس میں ذی علم اور اعلیٰ قانون دان آدمی نامزد کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ذی علم حضرات کی بھی قسمیں ہیں۔ اس ملک میں غالب اکثریت سُنّی مسلمانوں کی ہے اور اس میں بھی اکثریت حنفی فرقہ کی ہے یہ مانتے ہوئے کہ ہر فرقے کو اس کے اصول و اعتقادات پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی اور کوئی قانون ان کے معتقدات کے خلاف ان پر لاگو نہیں ہوگا —— قانون جو بھی بنے وہ غالب اکثریت کے نمائندے اپنی غالب آبادی کے جذبات و اعتقادات کو ملحوظ رکھ کر بنائیں۔

مشاورتی کونسل کے انتخابات کے سلسلے میں ہمیں دو باتیں عرض کرنا ہیں۔ مشاورتی کونسل میں ایسا کوئی آدمی نہ ہو جو عامۃ المسلمین کی نگاہ میں مشکوک ہو۔ اخبارات میں ایک جسٹس صاحب کا نام لیا گیا ہے۔ جن کے متعلق تحقیق کرنا ضروری ہے کہ وہ منکرِ حدیث

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

اعتذار

حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ العالی بحمد اللہ تعالیٰ بقیدِ حیات اور خیر و عافیت سے ہیں —— اللہ تعالیٰ انہیں دینِ حق کی نصرت کے لئے تا دیر سلامت رکھے —— آمین ——

البتہ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۰ جون کو رحلت فرما گئے تھے —— اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ —— اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور مقاماتِ بلند عطا فرمائے۔

ہمارا سر ندامت سے جھکا جا رہا ہے اور ہمیں از حد افسوس ہے کہ پچھلے شمارے میں کاتب کی غلطی سے حضرت مولانا مدظلہ کی وفات کی خبر چھپ گئی۔ اصل میں خبر یوں تھی:۔

اَلۡمَوۡتُ جِسۡرٌ یُّوۡصِلُ الۡحَبِیۡبَ اِلَی الۡحَبِیۡبِ

موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے

حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ سجادہ نشین کندیاں شریف کے والد بزرگوار اس دارِ فانی سے عازمِ ملکِ جاودانی ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ادارہ حضرت مولانا موصوف برادرِ مرحوم مولانا محمد افضل صاحب اور خدام آستانہ سے اظہارِ ہمدردی کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے انعامات سے نوازے —— آمین

لیکن کاتب نے جہاں موت کو موت بنا دیا وہیں "کے والد بزرگوار" کے الفاظ حذف کر گیا یا لکھنا بھول گیا —— جس پر ہمیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم اگر بنظرِ عمیق دیکھا جاتا تو "ادارہ حضرت مولانا موصوف، برادرِ مرحوم مولانا فضل احمد صاحب سے اظہارِ ہمدردی کرتا ہے" کے الفاظ سے صاف اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ یہ خبر حضرت مولانا مدظلہ کے بارے میں نہیں ورنہ ان سے اظہارِ ہمدردی کیونکر کیا جاسکتا تھا۔ اور پھر مولانا فضل احمد صاحب آپ کے چچا ہیں نہ کہ بھائی پھر بھی چونکہ ایسے وقت میں ہر آدمی ایسی باریک بینی سے کام نہیں لے سکتا خدامِ آستانہ کو بے جا پریشانی کا منہ دیکھنا پڑا۔

ہم حضرت مولانا موصوف اور خدام آستانہ سے انتہائی ادب کے ساتھ معذرت خواہ ہیں ہمیں خود بھی اس پر صدمہ ہے کہ ایسی غلطی ہم سے کیوں ہوئی۔

ہم نے اسی دن صبح اس کی تردید مختلف اخبارات کوہستان اور امروز وغیرہ کو بھجوا دی تھی۔ لیکن انہوں نے بروقت شائع نہ کی۔ کوہستان مورخہ ۲۲ جولائی میں یہ خبر موجود ہے۔

مجلس ذکر منعقدہ جمعرات ۱۶ر صفر المظفر سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹ر جولائی سنہ ۱۹۶۲ء

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی نے مجلس ذکر کے بعد حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی:۔

(نظر)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ

روحانی بیماریاں

حسد، بغض اور کینہ

اسلام نام ہے چند عقائد و اعمال کا۔ عقیدے کی درستگی کے بعد اسلام سب سے زیادہ کوشش انسانوں کے اخلاق سنوارنے کی کرتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فواحش و منکرات اور اخلاق رذیلہ و ذمیمہ سے نجات دلائی اور اخلاق فاضلہ و حسنہ سے انہیں بہرہ ور کیا۔ قرآن عزیز نے جا بجا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں وَیُزَکِّیْھِمْ۔ اور ان کے باطن کو پاک کرتا ہے۔ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

تزکیہ سے مراد نفس انسانی کو ہر قسم کی ظاہری و باطنی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک کرنا، نکھارنا اور صاف ستھرا کرنا ہے تاکہ میل کچیل اور زنگ دور ہو جائے۔ نفس بالکل مجلّٰی اور مصفّٰی ہو جائے۔ شرک، کفر، نفاق اعتقادی، بدعت، حسد، بغض، کینہ، عداوت، تعصب، ہٹ دھرمی، غرور، انانیت، تکبر، عُجب، جاہ طلبی، زرپرستی، بدنیتی، بدخواہی اور غیبت وغیرہ روحانی امراض نام کو بھی نہ رہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:۔

"تزکیہ تصوف متعارف لوحِ دل کو احکام شریعت کے لکھنے کی خاطر صاف ستھرا کرنے کا نام ہے۔"

محترم حضرات! ہمارا جمعرات کو مل بیٹھنا اور اللہ کا ذکر کرنا بھی اسی مقصد کے حصول کے پیش نظر ہے۔ ہمارے بزرگوں سے یہ طریق چلا آتا ہے اور انشاء اللہ تا ابد یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ ذکر کے بعد تقریر سے پیشتر اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ تقریر محض روحانی بیماریوں کی نشاندہی کے لئے ہے۔ تاکہ ہم ان سے پاک ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوں اور رضائے الٰہی کا تمغہ حاصل کر سکیں۔

برادران عزیز! اگرچہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں پاتا کہ حضرت اقدس رح کی طرح روحانی بیماریوں کے سلسلے میں معروضات پیش کروں اور میری دلی خواہش بھی یہی تھی کہ برادر بزرگوار حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہ اس مسند کی زینت بنتے لیکن خداوند قدوس کو کچھ ایسا ہی منظور تھا کہ مجھ ایسے گنہگار کے کاندھوں پر یہ بار گراں ڈالے۔ اس لئے حضرت رح کے ارشاد کی تعمیل اور فرض کی انجام دہی کے طور پر کچھ گذارشات میں بھی پیش کر دیا کرتا ہوں۔ دعا فرمائیے اللہ تعالےٰ ہم سب کو عمل کی نعمت سے نوازیں اور استقامت کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔ بے شک وہ فلاح پا گیا جس نے اس نفس کو پاک کر لیا اور تحقیق خسارہ اٹھایا اس نے جس نے اس کو مٹی میں ملا دیا۔

مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں ترقی اور آخرت میں نجات کا دار و مدار تزکیۂ نفس پر ہے چنانچہ وہی کامیاب و کامران ہوگا اور فلاح و کامیابی اُسی کے قدم چومے گی جو امراض روحانی سے پاک ہوگا۔

برادران عزیز! امراض روحانی میں شرک، کفر اور نفاق اعتقادی وہ امراض مہلکہ ہیں کہ ان کے مریض ابدالآباد جہنمی ہوں گے۔ نہ ان کی نجات ہوگی نہ شفاعت ہی ان کے کام آسکے گی۔

دیگر امراض باطنی کے مریض بھی دوزخ میں جائیں گے لیکن اگر ایمان سلامت ہوا تو سزا بھگتنے کے بعد وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ تاہم جہنم کی ہوا انہیں ضرور کھانا پڑے گی۔

چنانچہ آج کی صحبت میں ان ہی امراض روحانی میں سے چند مثلاً حسد، بغض اور کینہ پر مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔

حسد کی تشریح

حسد کا مریض حاسد کہلاتا ہے۔ اگر کسی شخص کو اللہ تعالےٰ کے فضل سے کوئی نعمت نصیب ہو تو حاسد کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ یہ نعمت اس سے چھن کر مجھے مل جائے۔۔۔ وہ اس شخص کی نعمت کو دیکھ کر پیچ و تاب کھاتا ہے، اس کی تذلیل و تحقیر کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح یہ نعمت اس سے سلب ہو کر میرے ہاتھ لگ جائے۔۔۔ چنانچہ اس طرح حاسد نہ صرف محسود سے جلتا ہے اور اس کا نقصان چاہتا ہے۔ بلکہ نعمت عطا کرنے والے مالک و رازق پر بھی بالواسطہ معترض ہوتا ہے۔ کہ اس نے یہ شے کیوں اسے عطا کر دی۔ اس طرح جہاں ایک طرف یہ اپنے بھائی کا بدخواہ بنتا ہے وہیں دوسری طرف اپنے مالک حقیقی کا بھی گلہ اور شکوہ کرتا ہے۔ اسی لئے حکیم نوع انسانی سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دامن بچانے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رض عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (رواہ ابو داؤد)

ابی ہریرۃ رض سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ حاسد اپنے حسد کی وجہ سے سب نیکیاں برباد کر کے جہنم میں داخل ہوگا۔

اب آپ ہی فرمائیں کہ جب حسد، حاسد کی نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو بھسم کر دیتی ہے تو حاسد کے پلے کیا رہ جائے گا؟ اور اس حال میں دوزخ کے سوا اس کا ٹھکانہ

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

خطبہ یوم الجمعہ ۱۷ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۶۲ء

از جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــ اما بعد

اسلام جامع اور اکمل قانون ہے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝
(البقرہ ع ۲۰۸)

ترجمہ:- اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو۔

یعنی اسلام پورا پورا قبول کرو۔ ظاہر باطن اور عقیدہ و عمل میں صرف احکام اسلام کا اتباع کرو۔ یہ نہ ہو کہ اپنی عقل یا کسی دوسرے کے کہنے سے کوئی حکم تسلیم کر لو یا کوئی عمل کرنے لگو۔ (شیخ الاسلام)

مثال

مسلّمہ بات ہے کہ انسان فطرتاً ادھوری اور نامکمل چیز کو پسند نہیں کرتا۔ مثلاً کوئی شخص تین پایوں والی چارپائی پر لیٹنے کے حق میں نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ہر وقت گرنے کا فکر دامنگیر رہے گا۔ اور اگر چارپائی کے صرف دو ہی پائے ہوں یا ایک پایہ ہو تو معاملہ اور بھی مختلف ہو جائے گا۔ اور ہر ذی شعور اس پر بیٹھنا عقل کے خلاف سمجھے گا ــ کوئی شخص یہ نہیں چاہے گا کہ اس کی ایک طرف کی مونچھیں اور داڑھی تو مونڈ دی جائے اور ایک طرف کی باقی رہنے دی جائے یا وہ ساری داڑھی اور دونوں مونچھیں رواج کے مطابق رکھنا پسند کرے گا یا ساری کی ساری منڈوا دینا اُس کی خواہش کے مطابق ہوگا لیکن یہ کہ آدھی منڈوا دے اور آدھی ایک جانب کی رکھ لے اسے کبھی گوارا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی عقل کا اندھا ایسا کر بھی بیٹھے تو لوگ اسے یا تو مسخرا خیال کریں گے یا بے عقل اور احمق گردانیں گے ــ اسی طرح اگر آپ بازار سے قمیص سلوائیں تو درزی سے یہ نہیں کہتے کہ بھائی ایک طرف کا بازو تو بنا دینا لیکن دوسری طرف کے بازو کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بات بھی ہمارے مشاہدہ میں کبھی نہیں آئی کہ کسی شخص نے پائجامہ تو سلوایا ہو لیکن ایک پائینچہ کا ــ اور یہ بات بھی دیکھنے میں کبھی نہیں آئی کہ ایک شخص شلوار پہنے بازار میں گھوم رہا ہو۔ لیکن ایک ٹانگ تو اس نے فیشن کے طور پر ننگی رکھی ہو اور دوسری کپڑے میں مستور ہو ــ ظاہر ہے اگر آپ کوئی شخص ایسا دیکھ پائیں تو آپ فوراً اس کے پاگل ہونے کا فتویٰ صادر کر دیں گے۔ اسی طرح یہ بات بھی بعید از قیاس ہے کہ والدین اپنی امیدوں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لئے اولاد کے تو طلبگار ہوں لیکن چاہتے ہوں کہ بچہ ایک ٹانگ والا ہو یا اس کا ایک بازو ہو ــ وہ تو ہر اعتبار سے کامل، حسین، صالح اور صحت مند اولاد کے متمنی ہوں گے۔

یہی حال اسلام کا ہے۔ اسلام دین خداوندی ہے۔ اللہ رب العزت بھی چاہتے ہیں کہ میرے دین پر عمل پیرا ہونے والے میرے مقرر کردہ معیار اور نمونے کے عین مطابق ہوں۔ ادھورے اور نافرمان نہ ہوں۔

برادران عزیز! انسان جو مخلوق ہے اور ایک گندے قطرے سے اس کا وجود تیار ہوا۔ جب وہ پسند نہیں کرتا کہ اُسے کوئی عیب دار، نکمی اور ادھوری شے ہاتھ آئے تو اللہ عزوجلہ جو ساری مخلوق کے پیدا کرنے والے ہیں کب گوارا کریں گے کہ روحانی اعتبار سے اپاہج، لنگڑے، نکتے، ادھورے اور کوڑھی اس کی بارگاہ میں باریاب ہوں۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے

برادران عزیز! اسلام صرف چند عقائد، عبادات یا قوانین کا نام نہیں یہ ایک جامع و مانع نظام حیات ہے۔ ایک مکمل اور منظم دستور زندگی ہے۔ انسانیت کے ہر ہر گوشہ اور ہر ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اور انسانی اعمال کا کوئی مناقشہ ایسا نہیں جس کے لئے یہ حکم نہ ہو۔ یہ اپنی توحید تعلیم میں انتہائی غیور ہے اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والے کسی دوسرے دروازے کے سائل بنیں۔

مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا عملی۔ سیاسی ہو یا معاشرتی دینی ہو یا دنیاوی حاکمانہ ہو یا محکومانہ وہ ہر زندگی کے لئے ایک اکمل ترین قانون اپنے اندر رکھتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہو سکتا۔

محترم حضرات! یہ ہو نہیں سکتا اور یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ ایک شخص توحید تو اسلام سے لے لے لیکن عبادات کے لئے مسجد، مندر اور کلیسا کو یکساں سمجھے یا رسالت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان تو لے آئے لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مارکس سے، دستور مملکت کے رموز ناخدایان مغرب سے اور اخلاق کے ضابطے گوتم بدھ سے سیکھنے یا لینے جائے معادیات، معاشیات، اخلاقیات، اجتماعیات اسلام کے سب اپنے ہیں۔ کسی اور دین کسی اور نظریے کی پیوندکاری اس کے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔

چنانچہ اسلام اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ انہیں جو حکم دیا جائے اُس کی پوری پوری پابندی کریں ــ احکام الٰہی اور سنت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر شق اور ہر ہر ادا کو اپنی زندگیوں میں جاری و ساری کریں۔ اور اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (ترجمہ: ــ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے) کی حقیقت کو اپنے اوپر طاری کر لیں۔

برادران اسلام! ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ایسے جامع و مانع قانون کے ہوتے ہوئے ہم نے اعراض و اغماض کی ساری سنتیں تازہ کر دی ہیں۔ اور بقول مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ "مشرکین مکہ اگر قرآن کی

تلاوت کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے یا کعبہ کے اندر شور مچاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ کہ اس کی آواز کسی کے سننے میں نہ آئے تو آج خود مسلمان کانوں کی جگہ دلوں کو بند کئے ہوئے ہیں اور شور مچانے کی جگہ خاموش ہیں۔ مگر ان کے نفس نے انسانی ہنگاموں کا ایسا غل مچا دیا ہے کہ خدا کی آواز کسی کے کانوں میں نہیں پڑتی۔"

شیطانی لغزش

آیت مذکورہ کے تحت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ اس طرح مثلاً کہ اپنے آپ کو کہلاتے تو رہو مسلمان لیکن رسمیں اختیار کر لو مجوس عجم کی، معاشرت لے لو مشرکین ہند کی، قانون فوجداری اختیار کر لو ملحدین فرنگ کا، معاملات کرنے لگو دستور یہود کے مطابق ـــ شیطان کے نقش قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیر اسلام کی آمیزش کی جانے لگے۔ اور اسے کوئی اصلاحی یا تجدیدی کارنامہ سمجھا جانے لگا۔

اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے۔ اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی لغزش ہے اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کے اشد ہونے کے سبب یہ عذاب کا زیادہ مظنہ ہے۔"

حاصل

ہمیں زندگی کے ہر گوشے میں اسلام ہی کی تابعداری کرنا اور اسلام کے نفاذ کے لئے ہمہ تن مصروف ہو جانا چاہیے۔

یاد رکھو! عیش پرستی اور آرام طلبی شیطان کی تعلیم ہے اور تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ـــ شیطان کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں قربان ہونے اور اپنے آپ کو اس کی راہ میں وقف کر دینے سے پرہیز کریں۔

اے برادران عزیز! آپ کو شیطان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آنا چاہیے۔ آپ کو حیات قومی اور اجتماعی زندگی کے لئے بہترین قانون تفویض ہوا ہے ـــ جس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے والے شتربانی سے جہانبانی تک پہنچ گئے۔ جاہل، عالم ہی نہیں کائنات انسانی کو درس ہدایت دینے والے بن گئے جنہیں اعرابی اور بدو کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا سارے جہان کو تہذیب و تمدن کا سبق دینے والے قرار پائے اور جن کے ذکر سے تاریخ کے چہرے پر حیا کی شکنیں نمودار ہو جاتی تھیں تاریخ ان کے آستانہ عظمت پر سر جھکانے کے لئے مجبور ہو گئی۔

اب اس حقیقت صادقہ کے بعد بھی اگر تم نے قرآن کی واضح ہدایت سے روگردانی کی اور اپنے کھلے ہوئے دشمن کے فریب میں آ گئے تو اللہ اپنے غلبہ و اقتدار سے کام لے کر تمہیں فنا کر دے گا۔ اور یہی اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہوگا۔

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

(البقرہ ۲۰۹)

ترجمہ:۔ پھر اگر تم کھلی کھلی نشانیاں آ جانے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

آئین اسلامی بے مثل ہے

برادران عزیز! اسلامی آئین اپنی خوبیوں اور خصوصیتوں کے اعتبار سے منفرد اور بے مثل ہے۔ دنیا کا کوئی آئین اور دستور اس کی ہمسری نہیں کر سکتا ـــ دنیا کی حکومتوں کے قوانین و دساتیر چند انسانوں کے باہمی صلاح و مشورے کے مرہون منت ہیں۔ اور ظاہر ہے انسانوں کا بنایا ہوا کوئی قانون نقائص سے پاک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ انسان خود ناقص اور اخلاقی کمزوریوں کا حامل ہے ـــ پھر اس کی عقل بھی محدود ہے۔

محترم حضرات! یہ شرف صرف آئین اسلامی ہی کو حاصل ہے کہ وہ اس ذات بے ہمتا کا بنایا ہوا ہے جس کا علم زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ پر حاوی ہے اور جو ہر انسان کی فطری اور طبعی ضروریات سے بخوبی واقف ہے۔ اس لئے اس کا بنایا ہوا قانون ہی ہر زمانہ میں ساری دنیا کے تمام انسانوں کی ضروریات کا ضامن اور کفیل ہو سکتا ہے۔

خوش نصیب ہیں آپ کہ قانون الٰہی کے وارث ہیں اور یہ آپ کے پاس محفوظ ہے۔ لیکن انتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ آپ نے اسے اپنی عملی زندگی میں نہیں اتارا ـــ

اب کیوں نہیں اس پر عمل کرتے اور کس انتظار میں ہو؟ کیا یہ چاہتے ہو کہ اللہ خود نزول اجلال کرے۔ ملائکہ کا لشکر اس کے جلو میں ہو اور وہ خود تم سے آ کر کہے کہ یہ میرا حکم ہے۔ اسے مانو اور اس پر عمل کرو۔

اے ایمان والو! تمہارے لئے تو اسی قدر کافی ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تبلیغ کر دی ـــ عمل کرنا تمہارا فرض ہے ـــ اور اگر باوجود ان دلائل واضحہ کے تمہیں یقین نہیں تو انتظار کرو۔ اللہ کا عذاب آ کر تمہاری بیخ کنی کر دے گا۔ عذاب کے فرشتے تمہیں نیست و نابود کر دیں گے اور دنیا سے تمہارا نام و نشان مٹ جائیگا۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ (البقرہ ۲۰۹)

ترجمہ:۔ کیا وہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے بادلوں کے سایہ میں آ موجود ہو اور فرشتے بھی آ جائیں۔ اور کام پورا ہو جائے اور سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔

آزما کر دیکھیں

دوستو! قرآن عزیز کی پکار سنو اور اس پہ کان دھرو۔

اگر تمہیں کسی قسم کا شک و اشتباہ ہو کہ یہ قانون کس طرح ایک قوم کے لئے زندگی بخش ہو سکتا ہے اور محض دستور اسلامی پر کیسے حیات قومی کا انحصار ہے تو اپنے ماضی کو دیکھ لو۔ قرون اولیٰ کی شاندار روایات آپ کے سامنے ہیں اور اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز کا دور حکومت تاریخ کے آئینہ نگاہ میں آج تک پوری آب و تاب سے جھلک رہا ہے ـــ پھر اس کا موازنہ موجودہ قوانین سے کیجئے اور دیکھئے کوئی دور کی نسبت بھی اسے اس قانون سے ہے۔

کیا آپ کا اپنا قانون آپ کے سامنے نہیں کہ کس طرح اس کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں؟ خدا را غور فرمائیے۔ تدبر و تفکر سے کام لو۔ اور کتاب و سنت کے قانون کو بھی آزما کر دیکھو۔ انشاء اللہ آپ انسانیت کا معیار اعلیٰ اور قومی دکھوں اور معاشی بے چارگیوں کا مداوا سوائے اس کے اور کہیں نہیں پائیں گے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب مدظلہٗ

اسلام میں تعلیم کی اہمیّت

ملتان کے قیام کے دوران حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے مدرسہ عربیہ خیرالمدارس کے تعلیم النساء کے شعبہ میں عورتوں سے خطاب فرمایا تھا۔ جسے محترم مولوی شبیر محمد صاحب سرحدی نے مرتب کر کے خدام الدین کے لئے ارسال فرمایا۔ ہم مولوی شبیر محمد صاحب کے شکریہ کے ساتھ اس تقریر کو شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

الحمد للّٰہ والصلوٰۃ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی — اما بعد:-

عزیز بچیو، محترم بہنوں اور استانیو! آپ کے اس مدرسہ میں آ کر بے حد مسرت اور خوشی ہوئی۔ تعلیم کا مسئلہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ دنیا کی کوئی قوم بغیر تعلیم کے ترقی نہیں کر سکتی۔ کسی قوم کی ترقی کا پہلا زینہ تعلیم ہے۔ اسلام میں بھی سب سے پہلے پڑھنے ہی کی آیت نازل ہوئی۔ اور فرمایا اقرأ باسم ربك الذی خلق۔ اسلام سے قبل کا زمانہ بداخلاقی، بد اعمالی اور برائیوں سے بھرپور تھا۔ لیکن اس زمانہ کا نام بداخلاقی اور بداعمالیوں کا زمانہ نہیں رکھا بلکہ اس کا نام جہالت کا زمانہ رکھا۔ معلوم ہوا کہ ہر برائی کا سرچشمہ جہالت ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کا بنیادی سرچشمہ تعلیم ہے۔

تعلیم کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے جتنا اہتمام کیا اور کسی چیز کے بارے میں نہیں کیا۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام نہیں کیا بلکہ اوّلاً تعلیم کا بندوبست کیا۔ جیسے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ انہیں اشیاء کے نام سکھلا کر ملائکہ سے مقابلہ کرایا۔ اور وہ کامیاب ہوئے۔ تو خلافت سے بہرہ ور کیا۔ اور خلافت کا تاج سر پر رکھا۔ اس کے بعد فرمایا اسکن انت و زوجك الجنة تو رہنے سہنے کا انتظام بعد میں ہوا۔ پہلے تعلیم کا انتظام کیا۔ معلوم ہوا۔ کہ علم اور تعلیم کا بہت درجہ ہے۔ بغیر تعلیم کے حیوان اور انسان میں فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اور پھر اسی پر اکتفاء نہیں کہ باپ کو تعلیم دیتے اور بس کرتے بلکہ اولاد کو بھی تعلیم دی۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر دایاں ہاتھ مارا تو نیک اولاد نکلی اور بایاں ہاتھ مارا تو بری اولاد نکلی۔ اور اس کے بعد تمام کو وادیٔ فاران میں جمع کر کے ان (روحوں) سے خطاب کیا اور فرمایا۔ الست بربکم قالوا بلیٰ۔ تو اس سے بھی مقصد تمام کو تعلیم دینا تھی۔ ربوبیّت کے بارے میں۔ کہ میں تمہارا ربّ ہوں تو اس سے بھی تعلیم کا اہتمام معلوم ہوا۔

گویا دنیا ایک مدرسہ ہے اور تمام انسان اس کے طالب علم ہیں۔ اللہ تعالےٰ معلّم ہیں اور انبیاء علیہم السلام اللہ تعالےٰ کے خصوصی شاگرد ہیں۔ تو دنیا کی پیدائش کا مقصد تعلیم ہے اور اس کے بعد عبادت ہے حسنِ معاشرت ہے۔

تعلیم کے سلسلہ میں ضرورت پڑتی ہے کہ طالب علم کے لئے وظیفہ ہو۔ تاکہ کھانا پینا اور رزق حاصل ہو تو اس کے لئے زمین اور دریا بنائے۔ مطالعہ کے لئے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے تو چاند تارے اور سورج کو پیدا کیا تو جب ہم اس دنیا سے قبر میں جائیں گے۔ اسی تعلیم سے متعلق سوال ہوگا (من ربك) اور اس کا امتحان ہوگا۔ یہ اوّل امتحان ہوگا اور بڑا امتحان میدان محشر میں ہوگا۔ کچھ کامیاب ہونگے اور کچھ ناکام۔ کامیاب کو انعامات دئے جائینگے اور ناکام کو سزا دی جائے گی۔ اور اس امتحان میں تمام شریک ہوں گے۔ اس میں بوڑھے جوان اور بچے کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اگرچہ عالمِ ارواح میں تو تمام کی روحیں یکساں تھیں۔ مگر آخر عمر کے اعتبار سے کہ جو پیدائش کے بعد جلدی مرے گا تو وہ بچہ، اور جوانی میں مرے گا وہ جوان، اور جو بڑھاپے میں وہ بوڑھا۔ تو ان روحوں میں بھی جوان، بچے اور بوڑھے اس اعتبار سے بنتے

اس لئے تعلیم کا اتنا لحاظ رکھا گیا۔ کہ جوان، بچے اور عمر رسیدہ تمام سے امتحان ہوگا۔ تو تعلیم ایک بنیادی چیز ہے۔ اور دنیا کے آباد کرنے کا مقصد یہی ہے۔

تعلیم کا سلسلہ عورتوں کے لئے بھی بہت ضروری ہے اس لئے کہ ابتدائی تربیت یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ قوم کی تعلیم کا دارو مدار ماں کی تعلیم پر ہے اگر وہ جاہل رہی تو قوم جاہل رہے گی الّا ماشاءاللہ جس کی فطرت سلیمہ ہو اگر وہ عالم ہوتی۔ تو اولاد بھی عالم ہوگی۔ اگر والدہ کے قلب میں تعلیم کی نورانیت موجود ہو تو بچے بھی اس نورانیّت سے فیض یاب ہوں گے۔ اور اگر ماں نورانیت سے خالی ہے تو بچے بھی ایسے ہی رہیں گے۔

اسی لئے سب سے پہلے جبکہ بچّہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس وقت بھی سب سے پہلے اس کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کہ دائیں کان میں اذان دی جاتی ہے جس میں توحید و رسالت اور عبادات کا ذکر ہے۔ تو اس اذان سے اس کو اصول و فروع عقائد و اعمال کی تعلیم دی جاتی ہے اور حیّ علی الفلاح میں اس کا انجام اور نتیجہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ فلاح اور کامیابی ہے جو آخرت میں تمہیں میسّر ہوگی۔ تو ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تعلیم کا کتنا بڑا مرتبہ اور درجہ ہے۔ اسی لئے اس پر زور دیا کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة (علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے) تاکہ علم حاصل کرنے کے بعد ہر مسلمان مرد اور عورت کو معلوم ہو جائے کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کے کیسے اخلاق ہونے چاہئیں۔ چھوٹوں سے شفقت، بڑوں سے ادب و احترام سے پیش آنا، رہنے سہنے اور حسن معاشرت کا طرزِ عمل معلوم ہو۔ اس لئے تعلیم واجب قرار دے دی گئی ہے تمام پر خواہ مرد ہو یا عورت۔

اس کے بعد دوسرے اعمال کی تعلیم دی جاتی ہے جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

"کہ جب سات سال کا بچہ ہو جائے تو اس کو عبادت کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔"

تو حقیقت میں یہ مقصد عورتوں سے ہی حاصل ہوتا ہے کہ جب ماں تعلیم یافتہ

ہوگی۔ بچے کو بھی تعلیم سے آشنا کرے گی جس سے اس کے اخلاق سدھر جائیں گے۔ اور اگر بالفرض ماں بچے کو تعلیم نہ بھی دے مگر وہ ماں نیکوکار اور بااخلاق ہے تو اس کی نیکوکاری اور حسن اخلاق کی برکت سے اولاد بھی دیندار بن جاتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو قوم میری فرمانبرداری کرتی ہے تو میں اس کی سات پشتوں تک اور نسلوں تک رحمت کی دعا کرتا ہوں۔ اور اگر وہ فرمانبرداری نہ کرے تو اس کی سات پشتوں تک لعنت بھیجتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی نیکوکاری اور بدکاری کا کتنا بڑا اثر ہے۔ جو سات پشتوں تک جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ والدین جیسے ہوں ویسے ہی ان کے بچے بھی اثر قبول کرتے ہیں۔ اگر والدین عالم ہیں تو بچے میں بھی علم کا اثر موجود ہوگا کہ وہ جائز و ناجائز کے مسائل سے گفت و شنید کرتا ہوگا۔ اگر دکاندار ہیں تو بچے میں بھی دکانداری کے اثرات حساب وغیرہ کرنا کچھ نہ کچھ موجود ہوں گے۔ اگر والدین کھیتی باڑی کرتے ہیں تو بچے میں بھی اس کا اثر موجود ہوگا تو یہ اثر ہے ماں باپ کے ماحول کا بچہ پر۔

اب سب سے پہلا حق انسان پر اپنے نفس کا ہے۔ دوسرا حق اولاد کو بڑھانا، کہ وہ صحیح راستہ پر چلے یعنی مخلوق کا ہے اور تیسرا حق معاشرہ کا ہے اور یہ تینوں علم پر موقوف ہیں تو جتنا علم حاصل کریں گے خاندان علمی بنتا جائے گا اور ماحول خوشگوار ہوتا جائے گا۔

امیر عبدالرحمن خان والئے کابل کے دادا امیر دوست محمد خان کا واقعہ ہے کہ اس کے ملک پر کسی نے چڑھائی کی اس کی سرکوبی کے لئے اس نے ایک فوج اپنے ولی عہد شہزادے کے ہاتھ بھیجی۔ دو تین دن کے بعد اطلاع آئی کہ شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ دوڑتا ہوا آ رہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے ہے۔ اس سے بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا اور کئی غم سوار ہوئے۔ شکست کا غم، شہزادے کی کمزوری کا اور قوم کی ملامت کا۔ تو وہ اسی غم کے اندر محو ہو کر گھر آیا۔ اور بیگم صاحبہ سے تمام قصہ سنایا۔ بیگم نے کہا کہ یہ سارا قصہ غلط ہے۔ امیر نے کہا۔ سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹ ہے وہ کیسے غلط ہو سکتی ہے۔ مگر بیگم نہ مانی کہ شکست ہرگز نہیں ہو سکتی۔ تو بادشاہ گھر سے نکل آیا کہ یہ عورت ہے یہ مرغی کی ایک ٹانگ ہانکے گی۔ دوسرے دن اطلاع آئی کہ وہ خبر غلط ہے۔ شہزادہ فتح پاکر واپس آرہا ہے۔ بادشاہ خوشی خوشی گھر گیا۔ اور بیگم سے کہا کہ واقعی تمہاری بات سچی رہی کہ شہزادہ کامیاب ہو کر آرہا ہے۔ اس پر بیگم نے شہزادے کی سلامتی اور فتح یابی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا تھا۔ کہ وہ شکست نہیں کھا سکتا۔ کیا دلیل ہے تیرے پاس کہ میری پوری حکومت کو تو نے جھٹلایا۔ اس نے کہا کہ کچھ نہیں صرف اللہ تعالٰے نے میری لاج رکھ لی یہ میرا راز ہے میں اس کو فاش نہیں کرنا چاہتی آخر اصرار کرنے پر بتایا کہ جب یہ شہزادہ میرے پیٹ میں آیا تو میں نے اس وقت سے عہد کر لیا تھا کہ میرے پیٹ میں مشتبہ لقمہ نہیں آنا چاہیئے۔ اس لئے کہ حلال غذا سے اچھی طبیعت اور اچھے اخلاق بنتے ہیں۔ اور حرام غذا سے طبیعت فاسد ہوتی ہے اور اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شہزادہ نو مہینے تک میرے پیٹ میں رہا اور ایک لقمہ غذا کا میں نے ایسا نہیں کھایا جو مشتبہ ہو۔ اس لئے اس کے اخلاق رذیلہ اور برے نہیں ہو سکتے۔

شہید ہونا یہ اچھا خلق ہے اور پشت پھیرنا یہ اچھا خلق نہیں ہے۔ تو شہزادہ شہید ہو سکتا ہے اور کٹ کٹ کر مر سکتا ہے مگر پشت پھیر کے فرار نہیں ہو سکتا اور پھر اس پر بس نہیں کیا بلکہ جب یہ شہزادہ پیدا ہوا تب بھی مشتبہ غذا استعمال نہیں کی تاکہ اس غذا سے دودھ بن کر اس کے اخلاق پر اثر انداز نہ ہو اور جب دودھ پلاتی تو وضو کر کے اور دو رکعت نفل ادا کر کے پلاتی۔ اس لئے ان چیزوں سے شہزادے کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ اس لئے میں نے تمہاری ساری فوج اور حکومت کی بات کو جھٹلا دیا۔ مگر اپنے قول سے باز نہیں آئی۔

جب امیر دوست محمد کی بیگم اتنی متقی بن سکتی ہے جبکہ آرام و عیش کے تمام اسباب موجود ہیں۔ تخت پر بیٹھ کر متقی بن سکتی ہے تو ہماری آج کل کی بہنیں جھونپڑیوں میں رہ کر کیوں کامل نہیں ہو سکتیں۔ جو رکاوٹیں ان کو تھیں وہ تمہیں نہیں۔

بعض لوگ حیلہ جو ہوتے ہیں۔ اور ہر کام اور ہر بات میں حیلہ تلاش کرتے ہیں مگر حیلوں سے کچھ نہیں بنے گا۔ اور یہی حیلہ کرنے والے قیامت کے دن بھی حیلہ سازی کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں وقت نہیں ملا۔ اس لئے اطاعت نہیں کی بلکہ دولت میں مشغول رہے اور اس سے فرصت نہیں ملی۔ تو اللہ تبارک وتعالٰی سلیمان اور یوسف علیہما السلام کو پیش کریں گے کہ باوجود اتنی دنیا اور دولت کے اللہ کے مقبول بندے اور نبی ہیں۔ ایسے ہی حضرات صحابہ کرام جیسے مردان باہمت تھے ان کی عورتیں بھی ایسی تھیں۔ اور ایسے ہی ازواج مطہرات بھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں میری وحی کا آدھا علم تمام صحابہؓ سے اور آدھا علم صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سیکھو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے بہت بڑے بڑے درجہ کے تابعین اور صحابہ کرامؓ جیسے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ شاگرد رہے ہیں تو جب حضرت عائشہؓ وحی کا آدھا علم سیکھ سکتی ہیں تو آج کل کی بہنیں ابتدائی حالات اسلام کے اور معاملات کا علم بھی حاصل نہیں کر سکتیں۔ امام ابوجعفر طحاویؒ کی حدیث کی کتاب کا املاء اس کی لڑکی نے لکھا تھا۔ آج تمام امت پر اس کا احسان ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ بڑے صوفیاء میں سے گذری ہے۔ فقہ کی کتاب بدائع والصنائع کی وجہ تصنیف یہ ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑے محدث کی لڑکی بڑی عالم اور محدث تھی اور اس کے ساتھ ساتھ بہت حسین اور خوبصورت تھی۔ بہت بڑے بڑے علماء کے پیغام نکاح کے آئے اور ایسے ہی سلاطین وغیرہ سے بھی مگر تمام سے اس لڑکی کا علم زیادہ تھا۔ اس لئے پیغام قبول نہیں ہوتا تھا۔ اس لڑکی نے یہ شرط مقرر کی کہ تمام علماء فقہ میں کتابیں تصنیف کریں جس کی کتاب مجھے پسند ہوگی میں اس سے نکاح کر لوں گی۔ اس پر ہزاروں کتابوں کی تصنیف ہوئی۔ تو اسے بدائع والصنائع پسند آئی اور اسی سے اس نے نکاح کیا۔ ۱؎

آج کل اگر ہماری بہنیں کمال اور مہارت حاصل نہ کر سکیں تو کم از کم حقوق کی ادائیگی کا علم تو حاصل کر لیں کہ خاوند کے یہ حقوق ہیں اور بچوں کے یہ حقوق ہیں۔

۱؎ بہت سے فتاوٰی اسکی بیوی کے دستخطوں سے شائع ہوا کرتے تھے۔

اور ہمسایوں کے یہ حقوق ہیں۔

وقائع میں لکھا ہوا ہے کہ سلجوقی کے عہد میں مدرسہ نظامیہ بنایا گیا۔ شیخ تقی الدین ابن رفیق السعید اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ بعد عرصہ مدید کے معلوم ہوا۔ کہ پڑھنے والوں کی نیتیں فاسد ہیں تو ارادہ کیا کہ مدرسہ کو ختم کر دوں مگر خیال آیا کہ ایک دفعہ دیکھ تو لوں کہ واقعی سب کی نیتیں فاسد ہیں یا نہیں چنانچہ ایک رات نظام الملک خود آیا اور ایک طالب علم سے سوال کرتا رہا کہ تم کس لئے پڑھ رہے ہو۔ کوئی جواب دیتا کہ میرا والد بادشاہ کا قاضی ہے میں اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ میں بھی قاضی بن جاؤں۔ کوئی کہتا کہ میرا والد بہت مصروف اور مشہور عالم ہے۔ اطراف میں اس کی شہرت کا ڈنکا بج چکا ہے تو میں اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ میری بھی شہرت ہو جائے وغیر ذالک

نظام الملک نے تمام طلباء کو دیکھا کہ سب کی نیتیں فاسد ہیں تو تہیّہ کر لیا کہ مدرسہ کو بند کر دیا جائے۔ میرے لاکھوں روپے ضائع ہو رہے ہیں صحیح نیت سے کوئی نہیں پڑھتا کہ ثواب حاصل ہو جائے۔ اس فیصلہ پر پہنچ چکا تھا کہ اس کی نظر ایک طالب علم پر پڑی جو مطالعہ میں مستغرق تھا۔

نظام الملک اس کے پاس گیا مگر اس طالب علم نے کتاب سے ایک لمحہ کے لئے نگاہ نہ اٹھائی۔ پوچھا "تم تو بڑے مستغنی ہو"۔ کہا۔ "میرا مقصد کتاب کا مطالعہ کرنا ہے چہروں کا مطالعہ کرنا نہیں"۔ نظام الملک نے پوچھا۔ "تمہارا ایک دو منٹ کے لئے حرج تو ہوگا لیکن یہ بتاؤ آپ کا اس پڑھنے سے مقصد کیا ہے؟" تو اس نے کہا۔ "میں نے ماں باپ سے سنا ہے۔ ہمارا ایک خدا ہے جس نے ہمیں زندگی عطا کی ہے۔ تو وہ ایک محسن ہے اور اس کے حقوق مجھے معلوم نہیں تو میں محسن کے حقوق جاننے کے لئے تعلیم حاصل کر رہا ہوں"۔ نظام الملک نے کہا میرا تو ارادہ اس مدرسہ کے توڑنے اور بند کرنے کا تھا لیکن جب تک تم اس میں پڑھتے رہوگے تمہاری وجہ سے مدرسہ جاری رہیگا۔ یہ طالب علم امام غزالیؒ تھے چنانچہ نظام الملک نے اس مدرسہ کو باقی رکھا۔

معلوم ہوا اصلی مقصد علم سے حقوق کی ادائیگی ہے اور ہم میں سے کون ہے جس پر حقوق نہیں ہیں بلکہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا تمام پر حقوق ہیں تو ان حقوق کے بتانے کے لئے تعلیم سکھائی جاتی ہے۔ تعلیم ایک فطری چیز ہے۔ کہ فطرۃً محسن کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ اور عقلی بھی ہے۔ تو جو جاہل ہے وہ فطرت اور عقل دونوں کے خلاف کر رہا ہے۔ اور احکام شرعیہ و عقلیہ کے خلاف کر رہا ہے ہمیں اپنی بچیوں سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ محسن کشی کریں گی اور عقل و فطرت کو آگ لگائیں گی۔

اکثر عورتوں کو یہ خلجان اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ترقی اور علم و فضل کا میدان مردوں کے لئے ہے اور عورت تو گھر میں بیٹھنے والی ہے اس کو علم سے کیا واسطہ۔ مگر ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ تاریخ اس کو جھٹلاتی ہے بلکہ کتابوں سے عورتوں کے بڑے فضائل معلوم ہوتے ہیں۔

صفوۃ الصفوۃ ایک کتاب ہے اس میں مستقل ایک عورتوں کا باب باندھا گیا ہے۔ ان کی سیاست، ان کی تعلیم اور جہاد کا بیان ہے حتیّٰ کہ عورتوں کی کشتی کا بھی بیان ہے کہ انہوں نے کشتی میں بڑے بڑے بہادر مردوں کو پچھاڑ دیا۔ تو تاریخ اس کو جھٹلاتی ہے بلکہ عورتوں نے میدانِ جنگ میں کام کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دین مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ہاں بعض چیزیں ایسی ہیں جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں جیسے رسالت اور قاضی القضاۃ کا عہدہ۔ کہ عورت رسول اور قاضی القضاۃ نہیں بن سکتی۔ کیونکہ اس کی قابلیت عورت میں نہیں مگر سب سے بڑا کمال جو نبوت کا ہے۔ ایک بڑی جماعت اس پر ہے کہ عورت کو نبوت مل سکتی ہے ابن حزم بھی یہی کہتے ہیں اگرچہ جمہور کا یہ مسلک نہیں جس جماعت نے اس کا قول لیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر وحی آتی رہی تو وہ نبی ہیں۔ فرعون کی بیوی آسیہؓ نبی تھی تو جب اس قول کے مطابق عورت کو نبوّت جو ایک اعلیٰ درجہ کا کمال ہے اس کا حصول ممکن ہے تو اور کیا کمال چاہیئے اور کون سی فضیلت ہے جس کو وہ حاصل نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید میں ہے۔ ان المسلمین والمسلمٰت والمؤمنین والمؤمنات الخ

اس آیت میں مرد اور عورت کو برابر درجہ دیا ہے۔ عبادات، اخلاق اور معاملات میں دونوں یکساں ہیں تو مبداءِ فیاض سے فرق نہیں۔ عقل اور نقل اس کو جھٹلاتی ہے۔

تو حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ اہتمام تعلیم کا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو بھی اس کا اہتمام ہے۔ امت کے بڑوں اور نامور لوگوں کو بھی اس کا اہتمام ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہماری بچیاں جہل کو چھوڑ کر دینی تعلیم کی طرف نہیں آ سکتیں۔ تو مدرسہ خیرالمدارس کا یہ شعبہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ عورت اور بچیاں بھی ترقی میں حصہ لے رہی ہیں اور دین کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں کہ اصل ترقی یہی ہے۔

ایک دور میں یہ بات تھی کہ مخصوص گھرانے علم سے مختص ہو گئے اور مائیں اولاد کو تعلیم سکھلاتی تھیں مگر اب یہ اختصاص نہیں۔ تو خیرالمدارس کا یہ شعبہ پوری قوم کے لئے خوشی کی بات ہے۔ عورتیں اس میں تعلیم حاصل کریں تو آئندہ چل کر نسلیں نیک بنیں گی۔ عورتوں کے لئے اب یہ موقعہ ہے۔ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اس کو دن دُونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین!

رفتارِ زمانہ

سید سالار کفیلؔ ——— راولپنڈی

نیا ہے ڈھنگ اربابِ صفا میں
چھپا ہے زہر اندازِ وفا میں
ہوئے ہم مبتلا قہرِ خدا میں
نہیں تاثیر تک اپنی دعا میں
سخاوت جب نہیں ہے اغنیا میں
ترقی کیوں نہ ہو اہلِ دغا میں
ترقی کرنے والے کر گئے ہیں
مگر ہم ہیں سراغِ نقشِ پا میں
کہاں اکلِ حلال اب ہو میسّر
مزہ ملتا ہے جب مکر و دغا میں
ہوا بدلی زمانے کی کفیلؔ اب
نہیں ہے فرق کوّے اور ہُما میں

ظہیر الحق - دین پوری ایڈیٹر "راستہ" خانپور

ایک تجویز اور ایک مطالبہ

(حکومت مغربی پاکستان کی توجّہ کیلئے)

وزارتِ اطلاعات اور قومی تعمیر نو کے سکریٹری سید ہاشم رضا نے انجمن ادبی رسائل کی چوتھی سالانہ کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا ہے کہ "نئی حکومت اشاعت کی بنیاد پر اخبارات کو اشتہار دیتی ہے — جبکہ پرانی حکومتوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اخبارات و رسائل کی پالیسی دیکھ کر اشتہار دیتی تھیں۔ انقلابی حکومت نے اسی مقصد کے لئے اشاعت کی جانچ کرنے والا ایک ادارہ بنا دیا ہے جو اشتہارات کے لئے سفارش کرتا ہے۔ اخباروں اور رسالوں کو اشاعت کے بجائے پالیسی دیکھ کر اشتہار دینا، صحافت کو گندہ بنانے اور حکومت کے لئے ناجائز فائدے حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے انقلابی حکومت نے یہ بڑا اچھا کیا کہ اشتہارات کی بنیاد اشاعت کو قرار دیا۔ اخبار یا رسالہ کی پالیسی کو نہیں۔ جس سے آزادیٔ رائے کے اصول پر چوٹ لگتی ہے اور رسائل و اخبارات حکومت وقت کے قصیدہ خوان بن کر رہ جاتے ہیں۔

اس پر ۳۱ر جنوری ۱۹۶۲ء کے شمارہ میں روزنامہ جنگ نے ادارتی کالموں میں لکھا۔ "ہمیں یقین ہے انقلابی حکومت اسی پالیسی پر چل رہی ہے اور اسی پر چلتی رہے گی۔ لیکن عوام اور خود اخبارات کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ حکومت نے اشتہارات دینے کے لئے جو اصول بنایا ہے اس پر واقعی عمل بھی ہو رہا ہے؟ اس بات کی ضرورت ہے کہ حکومت اخبارات کی مصدقہ اشاعتیں شائع کرتی رہا کرے۔ تاکہ اگر عوام یا اخبارات و رسائل میں سے کسی حلقہ کو یہ شکایت پیدا ہو کہ حکومت نے جو پالیسی بنائی ہے اس پر عمل نہیں ہو رہا تو وہ اخبارات اور رسائل کی اشاعتوں کی مصدقہ فہرست دیکھ کر اس شکایت کی صحت یا غلطی کو پرکھ سکیں اور حکومت اعتراض سے بچ جائے۔ ورنہ اگر اخبارات کی مصدقہ اشاعتیں نہ شائع کی گئیں تو اس یقین دہانی کو کوئی تسلیم نہ کرے گا کہ اشتہارات واقعی اشاعتوں کو دیکھ کر دئے جاتے ہیں۔ جہاں تک سید ہاشم رضا کے اس اعلان کا تعلق ہے۔ ہمیں اس کی صحت پر شبہ نہیں لیکن کیا اس پالیسی پر عمل ہو رہا ہے؟ یہ بات مشکوک ہے اور اس لئے عام مسئولین کی رہنمائی اور حکومت کی پالیسی سے متعلق عوام، اخبارات اور رسائل کے شبہات کو دُور کرنے کے لئے اخبارات کی مصدقہ اشاعتوں کا شائع کرنا ضروری ہے۔ امید ہے رضا صاحب اس معاملہ کی ذمہ داریوں کو محسوس کریں گے اور اشاعتوں کے شائع کرنے کے اصول کو اپنا کر ہر قسم کی غلط فہمی کو دُور کر دیں گے۔ جہاں تک علمی و ادبی رسالوں کا تعلق ہے سو ان کے معاملہ میں اشاعت کو معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لئے کہ علمی و ادبی رسالوں کی اشاعت دنیا کے ہر ملک میں کم ہوتی ہے اور حکومت اور صاحبان دولت کا یہ فرض سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان رسالوں کی امداد کریں۔ ایسے رسالوں کے سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انہیں زیادہ سے زیادہ اشتہار دے تاکہ وہ مالی طور پر مستحکم ہوں اور قوم کی تہذیبی خدمت کرتے رہیں۔ حکومت کے ساتھ بڑے بڑے مشتہرین کا فرض بھی ہے کہ وہ اپنے اشتہاروں کے بجٹ میں ایک خاص مد علمی و ادبی رسالوں کے لئے رکھیں اور ان کو زیادہ سے زیادہ اشتہار دینے میں کسی بخل سے کام نہ لیں۔ ان رسائل کا زندہ رہنا تہذیبی ترقی کے لئے ضروری ہے اور یہ ذمہ داری حکومت اور عام مشتہرین دونوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس معاملہ میں اپنی قومی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں۔ ہمیں امید ہے۔ انجمن ادبی رسائل پاکستان حکومت سے علمی و ادبی رسائل کے لئے خاص رعائتوں کا مطالبہ کرے گی جسے حکومت پورا کرنے میں کسی بھی تساہل اور بے توجہی سے کام نہ لے گی۔

اس آئینہ میں ہماری تصویر کے بارے میں یہ عرض ہے کہ ۲۲-۶-۵۸ کو ہفت روزہ راستہ خانپور کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ چار سال کے عرصہ میں ایک بھی شمارہ کا ناغہ نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اسے آج تک کسی بھی کوتاہی کی وجہ سے وارننگ دی گئی۔ مارشل لاء کے قیام کے فوراً بعد اسے سرکاری طور پر اشتہارات ملنے شروع ہوگئے۔ پھر بند ہوگئے جس کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہو سکی۔ قیاس ہے کہ شاید اشتہارات کی آمد کے صحیح مصرف کو ہم نہ سمجھ سکے ہوں۔ تب سے مسلسل استدعا جاری ہے کہ ہمیں اپنا حق دیا جائے۔ اپنے کیس کے ہمراہ آٹھ تشو کی طباعت اور اشاعت کے سارٹیفکیٹ پریس اور مقامی پوسٹ آفس کے بھی شامل کئے گئے۔ چار سال کے طویل عرصہ کے بعد آج جواب موصول ہوا ہے کہ ہمیں ملتان کے آفس سے رابطہ قائم کرنا چاہئے۔ ہم مایوس نہیں ہوتے ہمارا حق ضرور ملے گا۔ مگر کب؟ یہ معلوم نہیں۔ اس وقت ہمارا مطالبہ کچھ اور ہے۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں۔ کہ بہاولپور ڈویژن کے اخبارات کو اشتہارات وزارت اطلاعات کے سکریٹری کے فرمان کے مطابق اشاعت پر دئے جا رہے ہیں۔ اور ان کے ہاں تعداد اشاعت کا معیار کیا ہے؟ یا اور کوئی ذریعہ ہے۔ بنا بریں اپنے محکمہ سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ یہاں سے اُن اخبارات کا جو کہ اس وقت سرکاری اشتہارات حاصل کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد اشاعت کا سرکاری طور پر اعلان فرمائے تاکہ ہم جان سکیں کہ ہفت روزہ راستہ خانپور سے بے انصافی تو نہیں ہوئی کہ یہ محض مذہبی ہے؟ اس کے بعد پھر ہم یہ معلوم کرنے کی جرأت کریں گے کہ ہفت روزہ راستہ خانپور کے بعد جاری ہونے والے ان اخبارات کی کیا خصوصیات تھیں کہ جنہیں دوسری ششماہی پر رپورٹ کے درمیانہ وقفہ میں اشتہارات ملنا شروع ہو گئے تھے۔ اور ان کے مقابلہ میں چار سال تک ہفت روزہ راستہ خانپور کے کیس پر توجّہ دینا ہی مناسب نہیں سمجھا گیا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ہمیں مایوس نہ کیا جائیگا۔ اگر ہمارے مطالبے کے مطابق تعداد اشاعت

خطیبۂ ہند، زہرۂ سخن، مجاہدۂ وطن سیدہ اختر صاحبہ

پیامِ وقت

پیام میں وزن و انفرادیت ہونا چاہئے۔ پیام "نبضِ وقت" کی اُس دھڑکن کا نام ہے جس کی آغوش میں قومیں "انگڑائیاں" لیتی ہوئی بیدار ہوتی ہیں اور اپنے تعمیری مستقبل کی طرف تیزگام و سرگرمِ عمل ہو جاتی ہیں ؎

سب کا پیام اور ہے میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

میرے پاس کوئی نیا پیام نہیں۔ بلکہ یہ اُس پیامِ حق کی صدائے بازگشت ہے جو دنیا میں سب سے پہلے صحرائے عرب میں گونجی تھی اور کائنات کے ذرّے ذرّے نے اس کی آواز کو گوشِ دل سے سنا تھا ؎

مرے پیام سے بیدار اک زمانہ ہے
مرا پیام حقیقت میں "تازیانہ" ہے

ہاں وہ تازیانہ جو براہ راست روح پر پڑتا ہے اور دل سے خراجِ تحسین حاصل کرتا ہے۔ وقت تیز رفتاری سے گذر رہا ہے اس وقت ہم نے وقت کا ساتھ نہ دیا اور عہدِ حاضر کے ہمنوا نہ ہوئے تو یقیناً ہم ایک ہلاکت آفرین اقدام کریں گے۔ موجودہ سرد جنگ سے تھکا ہُوا انسان اب اس قدر قابلِ رحم ہو چکا ہے کہ ہم کو اپنی اوّلین فرصت میں اس کی امداد کرنا چاہئے کیونکہ دوسری جنگِ عظیم انسانی درندگی کا وہ نقش ہے جس سے ہماری آنے والی نسلیں عبرت و موعظت حاصل کریں گی۔

الغرض "آج" قوموں کے لئے "کل" بن رہا ہے۔ اب ہمیں یقیناً اپنی زندگی کا خود فیصلہ کرنا چاہئے۔ تاکہ ہم منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں۔ اور ہمیں معراجِ زندگی نصیب ہو۔

میرا پیام جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا ہے اُس آواز کی صدائے بازگشت ہے جو کنجِ حرا میں گونجی اور فاران کی چوٹیوں سے بلند ہوئی۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا
ولا تفرّقوا

یعنی ؎

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اس لئے آج ہم کو ایک عالمگیر انقلاب کی ضرورت ہے اور ایک بین الاقوامی اتحاد کی ناگزیر احتیاج۔ اگر فرد نے جماعت پر بے جا تسلط کیا تو اس کے ہولناک نتائج برآمد ہوں گے اور ہم ماضی کے تاریک زمانے کی طرف زبردستی واپس کر دئے جائیں گے۔ انسان اس وقت سے جب کہ اُسے دولتِ شعور و احساس ملی آج تک اس فکر کا شکار ہے۔ کہ ؎

اسی تلاش و تجسس میں کھو گیا ہوں مَیں
اگر نہیں ہوں تو کیونکر جو ہُوں تو کیا ہوں مَیں؟

مادہ کا قدیم نظریہ یہ کہتا ہے کہ دنیا کے حادثات جنہیں ہم محسوس کر رہے ہیں۔ وہ یہ ناقابلِ احساس ذرّات ہیں جو سینۂ کائنات پر بکھرے پڑے ہیں۔ جدید مملکت کی ایک درخشاں حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے نظامِ فکر کو وطنیت کا فلسفۂ اجتماعی قرار دیتی ہے۔ وطنیت ہی اس کا دین اور ایمان ہے۔ اپنے اعمال درست کرنے میں وہ وطنیت کا سہارا لیتی ہے۔ جب مذہب کا دامنِ پاک چھوٹ جائے تو آخر کوئی دوسرا مسلک ہونا چاہئے۔ وطنیت کے تصوّر نے بڑی حد تک اس روحانی ومعنوی خلاء کو اہلِ یورپ کی زندگی میں پُر کیا۔ جو ترکِ مذہب سے پیدا ہُوا تھا۔

نظری اعتبار سے اصولِ قومیّت کا تعلق انسانوں کی سیاست بندیوں سے ہے کہ جن کے ذریعے رجحان عمل میں آیا۔ اور جن کا مقصد و نتیجہ مسیحیّت کے ان ناقابلِ احساس نظریات سے پیدا ہُوا۔ جنہوں نے دہائیوں کو اکائیوں میں تقسیم کر دیا۔ مذہب کا دامن چھوڑ کر یورپ کے مردِ بیمار نے وطنیت کا دامن پکڑ لیا۔ کیونکہ ذہنی طور پر اُس نے اسی میں اپنی نجات دیکھی۔ انسانی ذہن خارجی اشیاء کا علم حاصل کرتا رہتا ہے ان اشیاء میں اور ذہنِ انسانی میں ایک لطیف نسبت ہوتی ہے۔ اس نظریہ کی رُو سے پھر یہ سوال پیدا ہُوا۔ کہ محدود بُطن سے لامحدود عمل میں آئے۔ اگر یہ سب کارخانہ بےمقصد ہے تو دلیلِ فکر حیران ہے کہ غیر مربوط اعمال سے یہ نظم کیسے ظاہر ہو گئے۔ پس ظاہر ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ اور وہ زندگی کے اس نظریہ میں ہے جس کو اسلامی تہذیب نے سب سے پہلے محسوس کیا۔ اور تاریخِ عالم کی تخلیقی قوّتوں سے اپنا ربط قائم رکھا۔ کیونکہ انسان نے ترکِ مذہب کے بعد یہ کلیہ بنا لیا کہ "جڑ پکڑے رہو اور شاخوں کو آزاد چھوڑ دو۔"

انسانی زندگی کی اس سے بہتر اور کیا توجیہ ہو سکتی ہے کہ وطنیت جس نے شجر تصوّر کو مضبوط اور شاخوں کو منفرد کر دیا۔ آدمی کی شخصیّت اس کے کردار و عمل کے دوران بنتی ہے جس میں حقیقتِ ہستی شعورِ انسانی پر بے نقاب ہو جاتی ہے ایک مفکرِ حیات کا نقطۂ نظر ایک تماشہ بین کا نقطۂ نظر نہیں ہو سکتا۔ جو خود تماشہ کرنے میں نہیں بلکہ اس کو دُور سے دیکھنے تک محدود ہے۔ اور اس بسیطِ عالم کے ذرّے ذرّے سے بالواسطہ یا بلا واسطہ پیامِ نو بنو سنتا رہتا ہے۔

ہر حادثہ، ہر حرکت اور ہر سکون اپنے ساتھ بے شمار درسِ عبرت و موعظت لاتا ہے۔ لیکن وائے بر آں قوم جو اپنی حالت بدلنا نہیں چاہتی۔ ورنہ انسان خلیفۃ الارض ہے اس کی دسترس میں کیا نہیں؟ اگر وہ مناسب حدود "عمل" تلاش کرے تو خاک کا ایک ایک ذرّہ آفتاب بن سکتا ہے۔ سب سے پہلے انسان کو اپنی حقیقت سے آگاہی ہوئی۔ اس کا ذریعہ علم ہے جس کے معنی ہیں "جاننا"۔ چنانچہ علم نے ہمارے سامنے ایک صراطِ مستقیم لا کر کھڑی کر دی۔ اور ہمیں جستجوئے حیات میں مصروف کر دیا۔ جوں جوں اس نے اپنی حقیقت کے رُخ سے نقاب اٹھائے۔ وہ مقامِ فکر و نظر پر متمکّن ہوتا گیا اور پھر بے اختیارانہ چیخ اٹھا ؎

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
مَیں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

الغرض انسانی تحقیق و تفکّر میں غرق ہو کر رہ گیا۔ پھر اس نے انسانی زندگی کی نئی نئی راہیں نکالیں، نئے نئے علوم ایجاد کئے۔ اور اس ویرانۂ حیات کو "جنّتِ حیات" میں تبدیل کر دیا اور وہ گنگنا اٹھا ؎

تمام اصل و حقیقت کا آئینہ ہوں مَیں
خدا نہیں ہوں مگر مظہرِ خدا ہوں مَیں

آخرش اس نے اپنی حیات کو دوام بنا لیا اور مقصودِ زندگی کو پا لیا جس کے اندر

بے شمار اسرارِ فطرت پنہاں ہیں اور جو اس زمانے کی بے حد اہم شے ہیں اور جو ہم خاک نشینوں کو فلک نشینوں پر مختار کر دیا کرتے ہیں ؎

کمالِ معرفتِ نوریاں ہمیں خاک است
کہ شانِ آدمِ خاکی حدیثِ لولاک است

اسلامی علماء نے عالمِ محسوس پر تسلّط پانے کے لئے مشاہدہ و تجربے کو وہم و گمان پر بے حد اہمیّت دی ہے اور اس طرح جدید سائنس کی بنیاد پڑی ـــــ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ سائنس نے ہماری ذہنی استعدادوں کو بے حد ابھارا۔ یعنی انسان زمین پر قابو، سمندر پر تسلّط حاصل کرنے کے بعد فضا میں تیرنے لگا۔ اب اس کے کمالِ جنون و آگہی کی کوئی حد نہ رہی اور اب مذہب کے سہارے پہلے شہنشاہیت وجود میں آئی اور پھر لامذہبیت نے جمہوریت کا دلفریب روپ اختیار کر لیا۔ چنانچہ اس کے بعد انسان ہر قید و بند سے آزاد ہو گیا۔ اور اس نے عروسِ زندگی سنوارنے میں اپنا خونِ دل صرف کر دیا۔ منطق، فلسفہ آرٹ، مصوّری اس عروسِ زندگی کے زیور قرار پائے اور انسان نے روز افزوں ترقی حاصل کرنا شروع کی۔ لیکن وطنیت کے غلط اور حسین تصوّر نے انسانی کمالات کے سینے پر زخم آفریں نقش ثبت کئے ایک پرانی شے تھی جو خوشنما لباس پہن کر نمایاں ہوئی۔ یورپ کی فضا پر وطنیت چھا گئی اور انسانیت نے اس نظریے کو بالآخر قبول کر لیا۔ لیکن انسان کو معلوم نہ تھا کہ ایک کہنہ سال ڈھانچہ ہے جسے خوشنما لباس سے آراستہ و پیراستہ کر دیا گیا تھا۔ اب یورپ نے وطنیت کے سہارے ابھرنا شروع کیا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ایک نئے تصوّر نے یورپ میں بے حد ترقی کی۔ اور اس کے سہارے مغربی قومیں مائل بہ ارتقاء ہو گئیں۔ لیکن خطرناک حد تک ـــــ خطرناک حد سے مراد دنیا کی وہ قومیں ہیں جنھوں نے سائنس پر قابو تو پا لیا لیکن اس کے صحیح مصرف کو نہ جانا۔ علامہ اقبالؒ نے خوب کہا ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

دوسری جنگِ عظیم اس غلط مصرفِ علم کی تازہ ترین مگر اندوہناک مثال ہے۔ انسان نے بڑے بڑے ٹینک اور بلند و بالا طیارے بنائے۔ تاریخ تمدّن، فلسفہ، ادب، آرٹ اور موسیقی کے ذریعے زندگی کے ہر رُخ کو بے نقاب کر دیا۔ جدید سائنس نے عالمِ فطرت کے کئی راز ایک ایک کر کے ہمارے سامنے ظاہر کر دئیے۔ سائنٹفک طریقِ تجسّس کی اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو گی؟ کہ انسان فطری واقعات و حوادث کو بڑی حد تک پیش گو سکتا ہے۔ لیکن باوجود اپنی تمام سائنٹفک ترقیوں کے انسان محسوس کرتا ہے کہ فطرت میں اُس کے تصرّف کی حد ہے جس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا، ستاروں کی گردش اور سمندر کے مدّ و جزر کو انسانی ذہن نہیں بدل سکتا انسان دریاؤں سے نہریں تو نکال سکتا ہے لیکن اُسے یہ قدرت حاصل نہیں کہ پہاڑوں کے سینے شق کر کے دریا جاری کر سکے۔

باوجود انسانی تفریقات کی حدبندی کے ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم جس ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ بڑی حد تک ہمارا ہی بنایا ہوا ہے۔ انسان اگرچہ فطری قوتوں کو یکسر بدل تو نہیں سکتا وہ انہیں سمجھ کر اپنے مقصدِ حیات کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ فطرت اس وقت بھی موجود تھی کہ جب انسان میں اُس کے شعور کی صلاحیّت نہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ ذہن کے ذریعے انسان کو خارجی اشیاء کا علم تو ہوتا ہے لیکن اگر ان حقائق کا علم نہ بھی ہوتا تو بھی حقیقت حقیقت ہی رہتی۔ خارجی حقائق سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً ہمارے گرد و پیش حقائق بکھرے پڑے ہیں۔ ان سے اپنی زندگی کو سنوارنے اور نکھارنے کے لئے بیش بہا استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے ؎

پھیلے پڑے ہیں جس قدر حسن کے جلوۂ لطیف
جی میں ہے سب سمیٹ لوں دامنِ امتیاز میں

مگر یہ تمنّا آج تک پوری نہ ہوئی۔ اور اسی مقام پر انسان مجبورِ زندگی ہو جاتا ہے۔ آہ ؎

سرابِ تشنگی کی زندگی توبہ ارے توبہ
کہ دریا کی طرف بڑھتے ہیں اور دریا نہیں ملتا

(سیدہ اختر)

ہمارا شعر و ادب

ہر قوم اپنے لٹریچر و ادب کی دولت سے بہرہ مند ہے اور اسی بل بوتے پر وہ کائنات پر حکمرانی کرتی ہے اور وہ اس کی بدولت تاریخِ عالم میں زندہ رہتی ہے۔

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ہر قوم اپنے شعر و ادب کی بدولت جانی اور پہچانی جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کسی قوم کی زندگی کے لئے اس کا شعر و ادب ناگزیر ہے۔ اور یہی شعر و ادب کا بلندترین مقام ہے۔

یقیناً اگر ہمارا شعر و ادب نہ ہوتا تو ہماری شعوری صلاحیتیں پیدا نہ ہوتیں اگر ہم میں کوئی تڑپ ہے تو ہم آج بھی اپنے شعر و ادب سے زندگی کے گرانقدر فائدے اٹھا سکتے ہیں اور اس جنسِ گرانمایہ سے اپنے دامنِ مقصود کو بھر سکتے ہیں۔

کسی قوم کی حقیقی زندگی اس کا شعر و ادب ہے۔ لٹریچر سے قوم بنتی ہے اور قوم سے لٹریچر۔ گویا دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اور ان کو کسی صورت ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمیں آج کس قسم کے شعر و ادب کی ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں آج وہ شعر و ادب درکار ہے جو ہمیں نئی زندگی عطا کرے۔ فی الوقت ہم ایک انقلابی لٹریچر چاہتے ہیں۔ کہ ہم اس کے ذریعہ اپنا مقامِ حیات حاصل کر سکیں۔

اگر زبان نہ ہوتی تو ہمارا شمار بھی حیوانِ مطلق میں کیا جاتا۔ لیکن خیر سے ہم اہلِ زبان ہیں جس کی بدولت ہر بلندی کو پست اور ہر پستی کو بلند ہونا پڑا۔ لٹریچر و ادب ایک ایٹم بم کی خاصیت رکھتا ہے۔ جس میں قومیں ترقی بھی کر سکتی ہیں اور وہ زوال پذیر بھی ہو سکتی ہیں۔ تعمیر اور تخریب بھی ہو سکتی ہے

ہمیں اپنے شعر و ادب میں ایک فوری انقلاب کی ضرورت ہے۔ وہ زمانہ گیا۔ جب شعر و ادب صرف تفریح کے لئے وقف تھے آج کا شعر و ادب ایک ٹھوس حقیقت بننا چاہتا ہے اور بڑی حد تک بن بھی چکا ہے

زمانہ انتہائی نازک دَور سے گذر رہا ہے ایک ذرا سی لغزش کسی قوم کی تباہی کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا طوفان آنے سے پہلے ہمیں طوفان کا سدِّباب کرنا چاہیے۔ اب ہمیں سب سے پہلے اپنے ذہن میں اسلامی انقلاب پیدا کرنا ہو گا اور پھر ہم متحد ہو کر معرکۂ حیات کو سَر کر لیں گے۔ اور تاریخ عالم ہماری داستان کو دہراتی رہے گی ؎

روشِ دہر کا ہر نقش پکار یگا ہمیں
یہ نہ سمجھو کہ ہمیں تک فقط افسانہ ہے

مولانا عتیق احمد صاحب

تربیت اولاد

تربیت کا مسئلہ ذہن اور دماغ سے متعلق ہے اور ذہن و دماغ کی قوتیں ہر آن منقلب ہوتی رہتی ہیں۔ اور اسی انقلاب اور ذہنی عروج و زوال کے لحاظ سے ذہنی تقاضے بھی ایک دوسرے سے ممتاز اور مختلف ہوتے ہیں۔ اور تربیت چونکہ ذہن اور اس کے جملہ تقاضوں کی صحیح تشکیل کا نام ہے بلکہ اگر کچھ ترقی کے ساتھ یوں کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ کہ تشکیل اخلاق کا تعلق نہ صرف ذہن کی اُبھرتی ہوئی کیفیات کی نگہداشت سے ہے۔ بلکہ اس کی وابستگی براہ راست تخلیق فطرت کے ساتھ ہے اس سے تعمیر سیرت کا تعلق بھی کسی مختصر یا ایک ہی دور سے نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ اس کو ایک بہت بڑی مدت اور زندگی کے مختلف ادوار کے ساتھ وابستہ کیا جائے گا۔ جنہیں شعوری کیفیت کے لحاظ سے اگر مکمل زندگی کا نصفِ اول کہا جائے تو شاید درست ہو اس لئے کہ ذہنی کیفیات کا نشیب و فراز اور تغیر پسندانہ تلون کم از کم ۲۵ سال کی عمر تک باقی رہتا ہے۔ اور پھر ۲۵ سالہ عمر مکمل ہو جانے کے بعد ایک خاص رفتار کے ساتھ دماغ میں پختگی اور ٹھیراؤ پیدا ہونا شروع ہوتا ہے۔

ہماری اپنی اصلاح میں زندگی کے اس پہلے حصے کو اولاً بچپن اور پھر ناتجربہ کاری سے اور دوسرے حصہ کو تجربہ اور دانائی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بس وہ پہلا حصۂ عمر جس کو بچپن اور ناتجربہ کاری سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ سب کا

اس طرح مکمل زندگی کو دو ہی حصوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ دماغ کی پختگی اور دوسرا ناپختگی اسی لئے ہم نے دورِ تربیت کو نصف عمر قرار دیا ہے پھر چونکہ زندگی کا یہ نصف اوّل ہر آن تغیر و تبدل کا شکار رہتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی چند ادوار پر تقسیم کیا جائے گا اور اسی تقسیم کے ساتھ ہر دور میں تربیت کا عنوان بدلتا رہے گا۔

پہلا دور مدتِ حمل

یہ وہ دور ہے۔ جس میں ابھی بچہ نہیں ایک مُضغۂ لحم (گوشت کا لوتھڑا) شکمِ مادر میں چھپا ہوا ہے۔ نہ صرف یہ کہ ابھی اس کے ذہن و اخلاق کی تعمیر نہیں ہو سکی۔ بلکہ جسمِ ظاہر کی تربیت و تشکیل بھی ادھوری اور ناتمام ہے۔ غالباً آپ کی نظر میں اس دور کی اہمیت اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہو یہ ایک عورت کے لئے مشقت کا دور ہے اور بس"۔

لیکن اگر مشیّتِ الٰہی کے نظم اور طرزِ تخلیق پر غور کریں گے۔ تو آپ کو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ دورِ حمل نہ صرف ایک عورت کے لئے دورِ مشقت ہی ہے۔ بلکہ یہ ہونے والے بچہ کی زندگی کا سب سے زیادہ نازک ترین دور ہے۔ اور ہر ایک لحاظ سے وہ اسی دور میں اپنی قسمت کے حسن و قبح سے دوچار ہے۔

مثلاً یہی دور ہے جس میں اس کے تمام ظاہری اعضاء کی تشکیل قرار پائے گی۔ اگر خدانخواستہ اس دور میں اس کو صرف ایک ہی پیر یا ایک ہی ہاتھ عطا کیا جاتا ہے۔ تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں جو اس کو دوسرا ہاتھ یا پیر دے کر اس کے جسم کو مکمل کر سکے۔

یا مثلاً اس کو حسن و جمال کی رعنائیوں کی بجائے قبحِ صورت کی ناقابل تلافی دولت بخشی جاتی ہے۔ تو پھر سارا عالم حسن و جمال بھی حرکت میں آجائے۔ اور اس کو حسنِ صورت سے نوازنا چاہے تو شکمِ مادر میں تشکیل پائی ہوئی صورت کے اندر ذرہ برابر بھی تبدّل و تغیر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح اس کی تقدیر کے لحاظ سے زندگی بھر کا دکھ اور سکھ اسی دورِ شکم میں طے پا جائے گا جس میں پھر کسی وقت بھی تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

غور کیجئے۔ کہ یہ دورِ حمل ایک مضغۂ لحم کے لئے جو ابھی چند مہینوں کے بعد ہمارے دل کا سرور اور ساری محبتوں کا ایک نشان بننے والا ہے۔ کتنا عظیم اور نازک ترین دور ہے۔ جس میں وہ اپنے مالک حقیقی کی جانب سے ملنے والی زندگی اور زندگی بھر کی صعوبت و مشکلات اور راحت و آرام کا انتظار کر رہا ہے۔ اور جس انتظار کا حاصل نہیں کہا جا سکتا کہ شادمانیوں کی شکل میں ظاہر ہو یا خسران و ناکامی کی صورت میں۔

پھر اتنے صبر آزما دور کو جس کے برابر صبر آزما گھڑی ایک بچے کے لئے نہ اس سے قبل تھی۔ اور نہ ہی بعد میں ممکن ہے۔ محض ایک عورت کا دورِ مشقت قرار دے کر جان چھڑا لینا کتنا بڑا ستم اور ظلم ہے۔ اس بچہ پر جو کل ہماری ہر جھوٹی محبت کا مرکز بننے والا ہے

اس دور میں والدین کا فرض

اس بحث سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اس نو ماہی مدتِ دراز کو والدین رو پیٹ کر گزاریں۔ اور قبل ازوقت بچہ کی قسمت کا ماتم شروع کر دیں۔ بلکہ ہم بتلانا یہ چاہتے ہیں۔ کہ اس کس مپرسی کے دور میں ہمارے اوپر اور بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یا نہیں۔

اگرچہ بچہ کے جسم کی تشکیل ہمارے قبضۂ اختیار سے ماوراء ایک حقیقت ہے۔ اس لئے ہم اس میں کوئی دخل نہیں دے سکتے

اور اگر ہم اس کی شکل و صورت سے متعلق حسن و قبح پر اظہار معذرت کریں گے تو ہم اس عذر کو بھی عذر لنگ نہ کہیں گے

بے شک ہم آپ کو معذور سمجھیں گے اگر آپ کہیں کہ بچے کی تقدیر اور نصیب سے متعلق خیر و شر میں ہم بے بس ہیں۔

لیکن ان تمام حقیقتوں سے ورا ء اور ایک اور حقیقت بھی ہے۔ جو مذکورہ تمام حقائق میں جس قدر اہم ہے۔ اسی طرح ہماری (والدین کی) فرض ناشناسی کے باعث ہماری آنکھوں اور احساسات سے پوشیدہ بھی ہے۔ اور وہ ہے "بچہ کی تعمیر سیرت" کا مسئلہ۔

یہ دورِ حمل جہاں بچہ کی تشکیل جسم کا وقت ہے۔ جہاں اس کی روزی مقدر ہونے کا وقت ہے۔ جو اس کے راحت و آرام اور مصائب و آلام کے طے پانے کا اہم اور نازک موڑ ہے وہاں سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے ذہنی نشیب و فراز اور مزاج و سیرت کی خشتِ اول بھی اسی دور میں رکھی جائے گی۔ اور نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اگر اوپر کی تمام مذکورہ حقیقتوں میں ہمارا عذر قابلِ قبول ہے۔ تو تعمیر سیرت

ایک ایسی حقیقت ہے۔ جس کی ذمہ داری صرف (والدین کے) اوپر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے اس حقیقت میں ہمارا کوئی بھی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ یقین کیجئے کہ تعمیر سیرت کا مسئلہ بتمامہ ہمارے اپنے کیرکٹر اور اخلاق کا پرتو اور عکس قرار دیا جائے گا۔ اور اس مدت حمل میں والدین کے اخلاق و کردار کی جو نوعیت بھی ہوگی۔ اسی کا عکس بچہ کی ذہنی حقیقت کا معمار ہوگا۔

مثلاً اگر والدین اس دور میں حرام غذاؤں کا استعمال کریں گے۔ تو چونکہ والدین کی یہی کھائی ہوئی غذا بچے کے پیٹ میں پہنچنے والی ہے۔ لہذا اس کی تمام نحوستیں نہ صرف بچہ کے جسم کا ایک جزو بن جائینگی بلکہ اس کی سیرت و اخلاق کا بھی ایک جزء لازم بن کر رہیں گی۔ اور پھر یہی اجزاء اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ اپنے مضر نتائج کو فروغ دیتے رہیں گے جس کا لازمہ یہ ہوگا۔ کہ بچہ بھی ایک قوی ہیکل فرد بن جانے کے بعد حرام خوری کا دلدادہ ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ حرام غذا ہی اس کی فطرت اور مزاج کا تخم اولین قرار پایا ہے۔" پھر آپ جانتے ہیں۔ کہ جو بو کر گندم ہرگز نہیں کاٹے جاسکتے۔

یا اگر والدین کے مزاج میں بے شرمی اور بے حیائی کا مادہ جنم لے چکا ہے۔ اور وہ ہر وقت انہیں بیہودہ اور غیر انسانی تخیلات میں ڈوبے رہتے ہیں۔ تو پھر یقین کر لیجئے۔ کہ ایسے والدین اگر شریف اور لائق اولاد کی امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ تو ان کی یہ امیدیں بھی ایسی ہی بیہودہ اور لغو حقیقت ہیں۔ جیسی بیہودہ اور لغو حرکت ان کی مذکورہ بے شرمی اور بے حیائی ہے۔

بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں۔ کہ ہماری زندگی کے وہ عزیز لمحات جہاں میاں اور بیوی کے علاوہ کوئی تیسری آنکھ موجود نہیں۔ اور سنت کے مطابق شادی رچا کر جن خلوتوں میں ہر ناشائستہ اور حیا سوز حرکتوں کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ مانا کہ وہاں کوئی تیسرا فرد موجود نہیں، تاہم ہماری ہونے والی اولاد کا مسئلہ سیرت ضرور موجود ہے۔ پھر چونکہ یہی عام بے شرمیاں اور بے حیائیاں بچے کے مزاج اور اس کی فطرت کے قوام کا ایک جزء بن رہی ہے اس لئے بچہ کے ذی ہوش ہونے پر اس کے ذہن اور کردار پر اسی بے شرمی کا غلبہ ہوگا۔ اب اگر یہ بچہ بے شرم اور آوارہ ہے۔ تو یہ کس کا قصور ہے یقیناً ان ناعاقبت اندیش والدین کا آئینہ عمل ہے۔ جنہوں نے اپنی عیاشانہ فطرت کے مظاہرہ کے وقت نہ صرف یہ کہ عظمت انسانی کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ بلکہ اس ہونے والے بچے کے پیدائشی اور فطری حقوق پر بھی چھاپہ مارے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ پھر اب شکوہ کس سے اور کیوں ہے یہ تو در حقیقت والدین ہی کے بگڑے ہوئے کیرکٹر اور اخلاقی گراوٹوں کا عکس اور پرتو ہے۔

یا بالفرض کوئی عورت زمانہ حمل میں، غیبت، بے شرمی، سختی کلام، شرانگیزی، جھوٹ یا اور کسی بھی قسم کا ناپسندیدہ فطرت عمل کا ناپسندیدہ فطرت عمل کا ارتکاب کرتی ہے تو اس کا اثر براہ راست بچہ کی فطرت میں منتقل ہو رہا ہے۔ اور ابھی سے ان تمام جرائم اور بیہودہ حرکتوں کا بچے کے مزاج میں نشو و نما شروع ہو چکا ہے

بہر حال اس قسم کی ان گنت لغزشیں ہیں جن کا زمانہ حمل میں قطعی طور پر کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ جس کی وجہ سے بچوں کا اخلاقی پہلو اپنے ہر نشو و نما سے پہلے ہی برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہ والدین کی وہ پہلی حرکت اور ناشائستہ طریقہ ہے جو اولاد کی شرافت پر سب سے پہلا نشتر ثابت ہوتا ہے۔ جس کے بعد ہمیشہ کے لئے اس کی انسانی شرافتیں گھائل اور زخمی ہو جاتی ہیں۔

پھر اگر اولاد بڑی ہو کر غیر انسانی حرکتوں میں ملوث ہوتی ہے۔ تو والدین ساری دنیا میں اس کی بے راہ روی کا رونا روتے ہیں لیکن اپنے گریبانوں میں کبھی جھانک کر نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنی اولاد کی تعمیر سیرت میں کتنی قربانیاں ادا کی ہیں۔

جب کہ بچے کی معصوم فطرت شکم مادر میں اپنی تشکیل کے دوران ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔ اور ہم سے شرافت و انسانیت اور شرم و حیا کی بھیک مانگ رہی تھی۔ لیکن ہمارے تفتیش گاہ سے اس کو بے شرمی، بے حیائی، دروغ بافی، حرام خوری اور انہیں جیسی دیگر انسانیت چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا تھا۔

بہر حال یہ وہ پہلا دور تربیت ہے۔ جو ایک طرف تو ہونے والی اولاد کے لئے انتہائی مہلک خطرناک اور صبر آزما ہے۔ تو دوسری طرف والدین کے لئے انتہائی آزمائش اور اپنے نفسانی محرکات پر سخت پابندیوں اور کڑی نگرانی کا دور ہے۔

اس مقام پر بیشک ہمارا قلم سخت ہو چکا ہے۔ مگر یہ زندگی کے وہ تلخ تجربات اور روح فرسا تاثرات ہیں۔ جو زندگی بھر خون کے آنسو رلائیں تو کم اور بہت ہی کم ہیں۔ لیکن اگر ناظرین عدل و انصاف اور حق و صداقت کی اعلیٰ قدروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مطالعہ کی زحمت فرمائیں گے تو خود ہی سمجھ لینگے کہ سختی تحریر کے باوجود عبارت میں واقعاتی اور حقیقی اشارات موجود ہیں۔ جذباتی یا فرضی ہرگز نہیں۔

اس لئے گزارش ہے کہ نسل انسانی کو ہلاکت و بربادی سے روکنے کا سب سے بڑا ذریعہ اپنی اصلاح اور بے جا خواہشات نفسانی پر کنٹرول کرنا ضروری ہے۔ ورنہ ہمارے یہی بچے خاندانی شرافت پر ایک کلنگ کا ٹیکہ بن کر رہ جائینگے

اس پوری بحث کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ زندگی کے ان حصوں میں جہاں کوئی شخص ہم پر کنٹرول کرنے کا حق نہیں رکھتا اور مذہبی لحاظ سے اپنی خلوتوں کے ہم خود معمار ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی اپنے حقیقی پالنہار کا تصور امتثال امر اور اتباع سنت مقصود اول ہونا چاہئے۔

مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ملحوظ رہے۔ کہ مجھے قیامت کے دن اس بات پر فخر ہوگا کہ جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں سے زیادہ میری امت ہوگی۔" کیسی عجیب اور آسان سی بات ہے۔ پھر یہ کوئی ایسا تصور بھی نہیں جو صعوبت و مشکلات کے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکے۔ اور نہ ہی اس تصور سے ازواجی عیش ہی مکدر ہو سکتی ہے بلکہ غور کیا جائے تو اس تصور کے بعد سرور و راحت اور بھی فزوں ہوتے ہیں۔ اس یا اس جیسے کسی بھی مقدس تصور کے بعد وہ خلوت بھی عبادت، اور حظ و سرور بھی یاد الٰہی ہے۔ جس کے نتیجے میں ہماری گود کی اجڑی ہوئی دنیا اک ایسے جواں بخت و جواں طالع فرزند سے آباد کی جاسکتی ہے۔ جس کی پیشانی انسانی وقار، دینی شرافت اور تہذیب اخلاق سے معمور ہو۔ پھر یہی ہمارے جسم کا اک ٹکڑا ہماری خاندانی عظمت کا ایک روشن مینار ثابت ہوگا۔

ہم اگر بہیمانہ قوتوں پہ فتح نہ پا سکے یا وقتی لذات نفس نے حقیقی راحتوں کی فکر سے غافل بنا دیا۔ تو انسانی شرافتیں مفقود ہو کر رہ جائیں گی۔ رہ گیا مسئلہ محض حظ و

(باقی ص ۱۵ پر)

سرور اور نسل انسانی کو بقاء کا تو یہ سرور گدھوں گھوڑوں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

یہی اک زاویۂ فکر ہے۔ جو انسان کو غیر انسان اور مومن کو غیر مومن سے ممتاز اور مختلف کرتا ہے۔ اور بس۔ نیک کردار اولاد خدا کے اک بہت ہی بڑے فضل کا دوسرا نام ہے۔ کہ جس کی طلب تقریباً ہر اچھے بُرے شخص کو بے قرار رکھتی ہے۔ لیکن اس کا حصول انتہائی مشکل ہے جس کے لئے بڑی بڑی راحتوں اور لذات نفس کو امتثال یزدانی کے سانچوں میں ڈھالنا پڑتا ہے۔ اس لئے یہ دولت اسی نیک بخت کا نصیب ہے۔ جس کا جینا اور مرنا سب کچھ خدا کے لئے ہو۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بیشک میری نماز اور میرے کے افعال اور زندگی اور موت سب رب العالمین کے لئے ہیں۔

بقیہ مجلسِ ذکر

کیا ہو سکے گا۔

برادرانِ عزیز! اگر آپ تاریخ انسانی پر غور کریں اور قرآن عزیز کا مطالعہ فرمائیں تو یہ حقیقت صاف طور پر سامنے آجائیگی کہ نوع انسانی کا پہلا قتل قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا اسی مرض حسد کا نتیجہ تھا۔ اور چونکہ قابیل نے قتل انسانی کی طرح ڈالی تھی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ قیامت تک جس قدر قتل انسانوں کے ہونگے ان کی سزا جہاں قاتلوں کو ہوگی قابیل کے نامۂ اعمال میں بھی اس کا اندراج ہوگا۔ کہ اس کی جڑ وہیں سے چلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی تہ میں حسد کی کار فرمائی تھی ـــ اور اس لئے قیامت تک جس قدر قتل ہوں گے ان کا سرچشمہ حسد ہی کو قرار دیا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:۔

دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمْ اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَآءُ هِیَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ:۔ حضرت زبیرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی امتوں کی مہلک بیماریاں یعنی حسد اور بغض تمہاری طرف چلی آ رہی ہیں۔ یہ بالکل صفایا کر دینے اور مونڈ دینے والی ہیں۔

اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی بیماریاں ہیں۔ بلکہ دین کا صفایا کرنے اور اس کو تباہ کرنے والی ہیں ـــ اور جو دین کو تباہ کرنے اور اس کا صفایا کرنے والے امراض ہوں وہ کیوں نہ انسانوں کو جہنّم کا ایندھن بنائیں گے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں ان امراض روحانی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

حضرات محترم! آپ اپنے معاشرہ پر نگاہ دوڑائیں اور جائزہ لیں تو اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کرنے والے ارکان میں حسد، بغض اور کینہ بھی سرگرم عمل دکھائی دیں گے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت و اخوت کی انتہائی اعلیٰ و ارفع تعلیم دی تھی اور ہم ناچاقی، حسد، بغض اور کینہ ایسے امراض روحانیہ میں گرفتار ہو کر قعرِ مذلت میں پڑے ہیں۔

روح دوعالم فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ اَیَّامٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ (رواہ احمد و ابوداؤد)

ترجمہ:۔ ابی ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ سلام و کلام میں قطع تعلق کرے۔ جس شخص نے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیا پھر اسی حالت میں مر گیا تو دوزخ میں جائے گا۔

احمد و ابوداؤد

غور فرمائیے۔ اس تعلیم قدسی کے ہوتے ہوئے کہ جس کی پہلی صدا فاران کی چوٹیوں سے بلند ہوئی اور اکناف عالم میں پھیل گئی۔ اگر کوئی مسلمان برائی کرے اور امراض روحانی میں مبتلا ہو۔ تو یہ اس کی انتہائی بدقسمتی اور بدنصیبی نہیں تو اور کیا ہے؟

آئیے اپنے آقا کی تعلیمات کو اپنائیں۔ اور عہد کریں کہ ہماری جان جائے تو جائے لیکن خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام سے سرتابی نہ ہو۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب بھائیوں کو کتاب و سنت کا عامل بنائے۔ اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے اور ا

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

قانونِ کتاب وسنّت

کم خرچ، نہایت آسان بہت جلد اور ہر فرد کیلئے کامل، اطمینان بخش واحد طریقۂ کار

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ حامداً ومصلیاً ومسلماً

خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پاکستان اسمبلی نے محسوس کر لیا کہ مسلمانو کی حکومت کے لئے وہی قانون صحیح ہو سکتا ہے جس کا مزاج پورے طور پر اسلامی مزاج ہو یعنی کتاب و سنت کا قانون، اور اس کے سوا ہر قانون اسلامی حکومت کے لئے سمّ قاتل ہے۔

لیکن آیات و احادیث کے صحیح و قوی و راجح مفہومات میں ہر ہر فرقہ کی تحقیق الگ الگ ہے۔ ہر صحیح مسلمان فرقہ کتاب و سنت پر ہی عمل رکھتا ہے مگر صحیح و قوی و راجح مفہوم اپنے فرقہ کی تنقیح شدہ ہزار سالہ تحقیقات کو باور کرتا ہے چونکہ کتاب و سنت کا قانون دنیا کے ساتھ دین کی بھی جڑ اور نجات کا مدار ہے۔ اس لئے کوئی فرقہ اپنی تحقیق سے سرِ مُو کمی بیشی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ جس طرح آج کل کے تحریکی فرقوں کے مفہوم پر قانون سازی کو قرآن و سنت کا قانون تسلیم نہیں کر سکتا اس درجہ میں نہ سہی کم درجہ میں سہی دوسرے فرقہ کی تحقیقات کو بھی اطمینان بخش نہیں قرار دے سکتا۔ اس لئے سوائے مندرجہ ذیل صورت کے جو نہایت آسان، کم خرچ، کم وقت اور ہر ہر فرد کی اطمینانی ہے اور کوئی صورت ہر ہر فرقہ اور ہر ہر فرد کے لئے اطمینان بخش نہیں ہے۔ امید ہے کہ حضرات ممبران اسمبلی اس پر غور فرمائیں گے

قانون عوام کے لئے ہے اس لئے ملک میں جس فرقہ کی اکثریت ہو، اول اس کی تحقیقات کے موافق قانون مدون کرایا جائے چونکہ کتاب و سنت کے صحیح و قوی و راجح ترین مفہومات کے قانون کا نام ہی فقہ ہے اور ہر فرقہ کے یہاں فقہ موجود ہے اس طرح اکثریت والے فرقہ کا قانون پہلے سے موجود ہے صرف ایک بڑا عالم اس کو دفعہ دفعہ بنا کر اردو کر سکتا ہے زیادہ سے زیادہ ایک وکیل مد

کے لئے دیا جائے کہ حالیہ ترتیب پر بن سکے۔ بننے کے بعد اسی فرقے کے چوٹی کے علماء کی مجلس طلب کر کے نظر ثانی کرا دی جائے جس سے مکمل تصدیق ہو جائے گی۔

تصدیق کے بعد اس کی چار پانچسو کاپیاں کر کے ملک بھر کے ہر فرقے کے منتخب علماء کو دے کر کہا جائے۔ کہ جس دفعہ پر سے ان کے مسلک کا خلاف ہو وہ وہاں اپنے مسلک کے موافق ذیلی دفعہ بنائیں۔

ذیلی دفعات پہلے قانون میں بھی مسلمان عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ، شیعہ و سنی کے لئے الگ الگ رہ چکی ہیں۔ اس وقت ذرا زیادہ ہو جائیں گی لیکن ہر ہر فرقہ کے ہر ہر فرد کے لئے دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے بالکل اطمینان بخش قانون صرف اسی طرح بن سکتا ہے نہ اس میں زیادہ مصارف کا بار ہوگا نہ دیر لگے گی، نہ بحثیں چلیں گی نہ اختلافات رونما ہو سکیں گے نہ کونسل بنانے کی ضرورت ہوگی جو ہر قانون کو پرکھنے کے لئے ہو نہ ملک بھر میں کسی ایک فرد پر ذرہ برابر گرانی ہوگی غیر مسلم یا بے دین لوگوں کو بھی اپنے فرقہ کے لئے اپنے اپنے نظریات کے موافق ذیلی واقعات کی گنجائش ملے گی۔

اس طرح سارے ملک کا مسلمہ، دلپسند، قابل اطمینان مکمل قانون بہت کم وقت، بہت کم خرچ میں حاصل ہو سکے گا اس کے سوا اور کوئی صورت اطمینان بخش اور فتنہ و فساد سے خالی نہیں ہو سکتی۔ امید ہے کہ سب اہل بصیرت اس پر غور فرمائیں گے۔

سیرت النبیؐ کی کتابوں کی مفت تقسیم

عید میلاد النبیؐ کی تیاریاں

پاکستان کی اسلامی مملکت کا قیام جمعۃ الوداع اور رمضان المبارک میں ہوا۔ اس سال پھر یوم آزادی پاکستان اور عید میلاد النبی کی مبارک اور مقدس دونوں تقریبات ۱۴ اگست کو ہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہر شہر، قصبہ اور گاؤں میں سیرت پاک کے جلسوں کا انتظام کریں۔ بڑے شہروں میں تبلیغی اجلاس منعقد کئے جائیں۔ سیرت پاک کے جلسوں میں پڑھ کر سنانے کے لئے اخبار الجماعت کراچی کی طرف سے ہر سال سیرت النبیؐ کی پاکیزہ تقریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اور ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس سال مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی، مولانا ابوالکلام آزاد، شہنشاہ ایران، صدر جمال عبدالناصر اور دیگر اکابر کی تقریریں کتابی شکل میں میلاد النبیؐ سے کچھ دن پہلے چھپ کر تیار ہو جائیں گی اس کے علاوہ دوسری کتاب "رسول اللہؐ کے میٹھے بول" بھی چھپ رہی ہے۔ اور ساتھ ہی امریکن اور انگریز اکابر نے سیرت پاک اور قرآن پاک پر جو مضامین لکھے ہیں وہ بھی کتابی شکل میں جمع کئے جا رہے ہیں۔ صرف دو آنہ کے ٹکٹ بھیج کر ہر شخص اپنا نام درج کرالے سب کو یہ پاکیزہ کتابیں مفت ارسال کر دی جائیں گی۔ ہمارے پاس اس سال مشرقی اور مغربی پاکستان کی سیرت کمیٹیوں اور سیرت کے جلسے منعقد کرنے والے کافی حضرات نے یہ دریافت کیا ہے کہ ہم ایک ہزار، دو ہزار، پانچ پانچ سو، ایک ایک سو سیرت النبیؐ کی کتابیں منگوا کر سیرت کے جلسوں میں مفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ان تمام حضرات کی اطلاع کے لئے تحریر کیا جاتا ہے کہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ کتابیں ہم دو سو پچاس روپیہ فی ہزار اور پچیس روپیہ فی صد کے حساب سے تیار کروا کر میلاد النبیؐ سے پہلے بذریعہ ریل یا ڈاک بھجوا سکتے ہیں۔ سیرت پاک کی کتابوں کی جو آمدنی ہوگی وہ مختلف زبانوں میں سیرت پاک کے لٹریچر کی مفت تقسیم پر صرف ہوگی۔

سید سرور شاہ گیلانی۔ ایڈیٹر "الجماعت" کراچی ۳

بقیہ اداریہ

تو نہیں؟

دوسری بات جو بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگر کونسل میں علماء کے سوا ماہرین قانون اور دیگر شعبہ جات کے ماہر بھی لئے جائیں تو اس سلسلہ میں یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ شرعی مسائل میں صرف علماء ہی کی بات حرف آخر ہو۔ کتاب و سنت کے قوانین کو قانون دانوں کا تختۂ مشق بنانا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ پھر یہ امر سب سے ضروری ہے کہ کسی مسئلہ کے شرعی فیصلہ کے لئے آخری طاقت صرف ماہرین کتاب و سنت کے ہاتھ میں ہو یا شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

بہرحال ارکان پارلیمنٹ کی اکثریت کا فیصلہ ہر صورت میں واجب الاطاعت قرار دینا قطعاً اطمینان بخش نہیں ہو سکتا ہم انتہائی خیرخواہی اور ہمدردی کے جذبہ سے یہ چند باتیں محترم صدر صاحب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (ایم، پی)
قائم مقام امیر جمعیۃ العلماء اسلام مغربی پاکستان
کا
بیان

جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کی تمام شاخوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ آج سے ان عہدہ داروں کی سرپرستی میں جو مارشل لاء کے نفاذ کے وقت ذمہ دار تھے اپنا اپنا کام شروع کر دیں اور تمام دفاتر کھول دیں۔

نیز ۴ر اگست ۱۹۶۲ء بروز ہفتہ انجمن خدام الدین شیرانوالہ مدرسہ کی عمارت میں جمعیۃ علماء اسلام مغربی پاکستان کی مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوگا۔ تمام اضلاع کی جماعتیں اپنے نمائندے منتخب کر کے مجلس شوریٰ کے اجلاس کیلئے بھیجیں۔ نیز انصار الاسلام جہاں جہاں قائم تھے ان کا بھی ہر ضلع سے ایک ایک نمائندہ اس اجلاس میں شریک ہو۔ دعوت نامے بہت جلد جاری کئے جا رہے ہیں۔

غلام غوث بقلم خود (ایم، پی، اے)

ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء اسلام مغربی پاکستان

قاری فیوض الرحمٰن صاحب۔ حویلیاں سٹیشن (ہزارہ)

ذکر اور اُس کی حقیقت

مذہبِ اسلام کی تعلیم اور اس کا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے اپنی پوری زندگی احکامِ الٰہی کے مطابق گذاریں اور ہر حال اور ہر معاملہ میں وہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اور چونکہ یہ بات کامل طور پر جب ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ بندے کو ہر وقت اللہ تعالےٰ کا خیال رہے اور اس کے دل میں اللہ کی محبّت و بڑائی پوری طرح بیٹھ جائے۔ دل میں اللہ کی عظمت و محبّت پیدا کرنے کا طریقہ جو مذہب اسلام نے ہمیں سکھایا ہے وہ محض ذکر ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ آدمی جس کسی کی عظمت و کمال کے خیال میں ہر وقت مستغرق رہے اور جس کے حسن و جمال کے گیت ہر وقت گاتا رہے اُس کے دل میں اُس کی محبت اور عظمت پیدا ہو جائے گی اور برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔ حقیقتاً ذکر کی کثرت عشق و محبت کے چراغ کو روشن بھی کرتی ہے اور اس کے شعلے کو بھڑکاتی بھی ہے۔ اور یہ بھی مسلّم ہے۔ کہ کامل اطاعت و بندگی کی وہ زندگی جس کا نام اسلام ہے وہ صرف محبّت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور محبّت ہی ایک ایسی چیز ہے جو محبِّ صادق کو محبوب کا کامل مطیع و فرمانبردار بنا دیتی ہے۔ ع

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

جتنی ذکر کی اہمیّت زیادہ تھی اتنا ہی اسے اپنے کلامِ پاک میں بار بار ذکر فرمایا۔ کہ کہیں اس میں غفلت نہ برتی جائے۔ مندرجہ ذیل آیاتِ مقدسہ اس کی شاہد ہیں:۔

۱۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ○

(سورۂ احزاب ع ۶)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو، بہت ذکر اور اس کی پاکی بیان کرو صبح و شام۔

۲۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

(سورہ جمعہ۔ ع ۲)

ترجمہ:۔ اور ذکر کرو اللہ کا بہت، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر ہی فلاح کا سبب اور ذریعہ ہے۔ جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں وہ ناجی اور کامیاب ہیں اور جو لوگ اللہ کا ذکر نہیں کرتے اور اس سے اعراض کرتے ہیں۔ وہ ناکام اور خسارہ پانے والے ہیں۔ خصوصاً جن دو چیزوں سے اللہ کی یاد میں غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے اور جن میں مشغول اور منہمک ہو کر یا اُن کے نشہ میں مست ہو کر آدمی اللہ کو بھول جاتا ہے۔ اُن دونوں چیزوں کا نام لے کر اللہ تعالےٰ نے صراحتاً مسلمانوں کو آگاہ فرما دیا ہے۔ ایک مال اور دوسرے بیوی بچّے۔

۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (سورہ منافقون)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولادیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کریں گے وہی ٹوٹے اور گھاٹے میں رہنے والے ہوں گے۔

اسلام میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے اور جو نہ صرف ذکر ہے بلکہ اعلےٰ درجہ کا ذکر ہے لیکن کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ نماز کے ذکر پر اکتفا کر کے دوسرے اذکار چھوڑ دے اور اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے۔ بلکہ ہمیں تو اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تم نماز کے علاوہ بھی کسی صورت اللہ سے غافل نہ ہو جاؤ چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا:۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔

ترجمہ:۔ اور جب تم پڑھ چکو نماز تو یاد کرو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوا۔ کہ کسی وقت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ ہر وقت اُس کی یاد دل میں بسی رہے۔ اور ذکر کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جہاد کی صورت میں بھی ذکر کی کثرت کو تاکید کے ساتھ بیان فرمایا:۔

۵۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ:۔ اے مومنو! جب تمہارا مقابلہ ہو کسی فوج سے، تو مضبوطی سے جم جاؤ۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ کامیاب و بامراد ہو جاؤ۔"

اس آیت اور اس سے پہلے سورہ جمعہ کی آیت سے معلوم ہؤا کہ ایمان والوں کی فلاح اور کامیابی میں اللہ کے ذکر کی کثرت کو خاص دخل ہے۔ اور آیت ۳ سے بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ذکر اللہ سے غافل رہنے والے نامراد اور خسارے میں رہنے والے ہیں۔ سب سے آخر میں سورۂ رعد کی ایک آیت میں اللہ کے ذکر کی ایک خاصیّت بیان کی گئی ہے وہ نقل کی جاتی ہے:۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (یاد رکھو اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دِل یعنی ایمان والی روحیں) قرآن کریم کی ان آیات کے بعد جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات تحریر کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن کون لوگ اللہ کے بندوں میں سے زیادہ اونچے درجوں پر ہوں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ کا ذکر کرنے والے خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔

۲۔ عَنْ اَبُوْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْكُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ حضرت ابو موسیٰؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کو یاد کرنے والے کی مثال اور یاد نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے یعنی یاد کرنے والا زندہ ہے اور یاد نہ کرنے والا مردہ بلکہ مردار ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ کہ "ہر چیز کے لئے کوئی صیقل ہوتا ہے۔ اور دلوں کا صیقل اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کے عذاب سے نجات دلانے میں کوئی چیز بھی اللہ کے ذکر سے زیادہ مؤثر نہیں۔"

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

اِستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ہائے ذیل کے متعلق کہ:۔

سوال:۔ مَیں ایک بیوہ عورت ہوں میرے خاوند کے حصّہ سے مجھ کو کچھ پیسے ملے ہیں مَیں نے ان کو ڈاک خانہ میں جمع کرا دیا۔ جس کا وہ منافع کہہ کر مجھ کو ایک صد روپیہ کے چار آنہ ماہوار دیتے ہیں۔ آپ یہ لکھیں کہ آیا یہ چار آنے سود ہیں شمار ہیں یا منافع ہے؟ اگر سود ہے تو مَیں فوراً بند کر دوں۔

جواب:۔ جی ہاں یہ سود ہے اور حرام ہے۔ حدیث شریف ہے۔ کل قرض جر نفعًا فھو ربوا یعنی جو قرض نفع لائے وہ سود ہے۔ آئندہ کے لئے بند کر دیجئے اور جو پچھلا ہے اس کو واپس کر دیجئے اگر واپسی کی کوئی صورت نہ بنتی ہو تو اس رقم کے ٹکٹ خرید کر پھاڑ یا جلا ڈالئے یہ رقم ڈاک خانہ کو پہنچ جائے گی اور اگر رقم با ٹکٹ خود یا کسی کو استعمال کے لئے دیا تو سود لینے کا گناہ الگ ہوا اور استعمال کرنے یا کرانے کا الگ۔ منافع نام رکھنے سے حرام حلال نہیں بن سکتا۔

سوال:۔ کہ استعمال لفظ کمینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت توہین ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مسلمان حضورؐ کی نسبت لفظ کمینہ استعمال کرے تو عند الشرع اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا

میاں محمد اسمٰعیل۔ ضلع پشاور

جواب:۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے اور حضورؐ کی توہین کفر ہے۔ تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ لیکن اگر یہ لفظ عربی عبارت میں ہو اور اگلی پچھلی عبارتوں سے مل کر ف مستور کے معنی میں مستعمل ہوگا۔ تو کفر نہ ہوگا۔ اردو میں جو اس کے معنے ہیں وہ توہین و کفر ہیں۔

سوال:۔ ریڈیو میں جو اسلامی تقریر نشر ہوتی ہے۔ ریڈیو کو مسجد میں رکھ کر اس تقریر کو سننا اور سنانا شریعت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جائز ہے یا ناجائز؟

بشیر احمد۔ منڈی مریدکے

جواب:۔ ریڈیو میں اصل آواز کی نقل ہے۔ جس اصل کو سننا جائز ہے۔ اس کی نقل کو بھی سننا جائز ہے — تلاوت، تفسیر، خبریں سننا جائز ہیں۔ گانا بجانا سننا ناجائز و گناہ ہے۔ چونکہ اس میں گانا بجانا بھی کبھی کبھی سنا جاتا ہے۔ اور اس کا احتمال رہتا ہے کہ کوئی اس وقت پر لگا دے۔ اس لئے مسجد کو اس سے پاک رکھنا بہتر ہے۔ یہ آلہ طبلہ و سارنگی اور ستار کی طرح لہو و لعب کے لئے وضع نہیں ہے۔ اس لئے اس کو مسجد میں لانا ان کی طرح گناہ نہ ہوگا البتہ بہتر کے خلاف ہے۔

سوال:۔ کیا سود کے روپیہ سے مسجد میں غسل خانہ بنوانا شرعاً جائز ہے؟

محمد جمیل غلہ منڈی پاکپتن

جواب:۔ سود حرام ہے اور دینے والے کی مِلک سے خارج نہیں ہوا۔ اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر دینے والا معلوم نہ ہو سکے تو خیرات کیا جا سکتا ہے۔ مگر فقیروں کو دیا جائے مسجد کے متعلقات پاک ہیں پاک مال سے ہونے پر قبول ہو کر ثواب کا ذریعہ بنیں گے۔ حدیث شریف ہے۔ ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔ اللہ پاک ہے پاک کو ہی قبول فرماتا ہے۔ لہذا مسجد کے متعلقات میں بھی نہ لگایا جائے اور اگر دینے والا معلوم ہے تو پھر اس کا مال ہے لگانا بالکل جائز نہیں ہے۔

سوال:۔ مجھے ایک کلب کی جانب سے اعانت کے طور پر وظیفہ ملتا ہے۔ مَیں جب کبھی یہ وظیفہ لینے جاتا ہوں تو میری ضمیر مجھے اس کے حاصل کرنے میں حائل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس سے قبل مَیں استفسار کر چکا ہوں تاہم مجھے سکون قلب حاصل نہیں ہوا۔ آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں کہ آیا یہ رکاوٹ "وقوع فی الشبہات" میں سے تو نہیں، کیونکہ ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "ومن وقع فی الشبہات" چنانچہ اس حدیث پاک کی روشنی میں مَیں آپ سے یہ استفسار کرنا چاہتا ہوں کہ بینک سے قرضہ کے طور پر رقم لینے میں وہی حدیث تو صادق نہیں آتی؟

امداد اللہ قریشی۔ سال دوم

جواب:۔ اگر شبہ اس وجہ سے ہے کہ اس کلب کی آمدنی حرام ہی ہے تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کی آمدنی صرف حرام ہی حرام ہو اس سے وظیفہ، تنخواہ، قیمت سب لینا حرام ہے۔ اور جس کی مخلوط ہے اگر حلال زائد ہے تو جائز اور حرام زائد ہے تو مکروہ تحریمی۔ اور برابر یا نامعلوم ہے تو خلاف تقویٰ و احتیاط ہے۔

اور اگر شبہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بذریعہ بنک وصول ہوتا ہے اور بنک میں روپیہ سودی لین دین کا ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی یہی قاعدہ جاری کیجئے کہ آمدنی کیسی ہے تو بنک میں رقم بطور قرض بھی جمع کی جاتی ہے سود کی بھی آتی ہے اور بلٹی چھڑانے اور گوداموں کے کرایہ کی بھی ہوتی ہے۔ غالباً دوسری قسمیں سود سے زیادہ کی ہیں اس لئے بلا سود آپ لے لیں تو حرج نہیں۔ اسی بناء پر اس کی ملازمت وغیرہ درست ہو سکتی ہے۔

مُسلمان عورت

نفیسؔ خلیلی

شجاعوں کی بیٹی، شجاعوں کی پوتی
شجاعت کے دریا کا انمول موتی
وُہ حورِ ارم کا لقب پانے والی
وُہ ناموسِ شوہر پہ مِٹ جانے والی
بدی اور نیکی کی تقسیم جادہ
جبینِ تقدس کی تنویرِ سادہ
ارادوں کی محکم، مشقت کی عادی
وفا کی پہاڑی، محبت کی وادی
گُڑی اور گاڑے میں لپٹا ہُوا حُسن
حجابِ مقدس میں سِمٹا ہُوا حُسن
خیالوں سے پوشیدہ، نظروں سے مستور
شرافت کے پردے میں نورٌ علیٰ نور
اصالت کا جس کی ثنا خواں زمانہ
حیا جس کا غازہ، وفا جس کا نشانہ
اطاعت چلن، خدمتِ خلق تیور
دُلہن، عصمتِ بے بہا جسکا زیور
حیادار اپنے پرائے سے پردہ
پئے حفظِ ناموس سائے سے پردہ
نہ دیکھا جسے آہ، چشمِ قمر نے
وُہ کوچہ بکوچہ لگی جست بھرنے
جو ننگی ہے پنڈلی، کھلی ہے کلائی
سرِ عام ہوتی ہے جلوہ نمائی
حیا سوز بیٹی کا اللہ والی
مقدر کی ہیٹی کا اللہ والی
سمندر ہے اور کاغذی ہیں سفینے
جہنم ہے اور کانچ کے آبگینے
جو عریاں ہیں بازُو، برہنہ ہیں سینے
اقارب ہیں سب بے حمیت کمینے
وُہ بھائی ہے ملعون جس کی بہن ہے
وُہ دُولھا ہے نامرد جسکی دلہن ہے
مسلمان ہو کر یہ ذِلت گوارا
بدی اور اسلام میں آشکارا
یہ عورت نہیں، شعلۂ آتشیں ہے
یہ فرحت نہیں، سوزشِ آستیں ہے
خدا ہے جو بگڑی ہوئی کو سنوارے
خدا ہے جو بیٹھی ہوئی کو ابھارے
شکستہ ہے کشتی، تو ادھل کنارے
نبیؐ کے بھروسے، خدا کے سہارے
تم اس وقت جاگو گے جب سو چکو گے
اٹھو گے مگر ختم جب ہو چکو گے
نقاب اُٹھ گیا رہ گئی بے نقابی
حیا چل بسی، آگئی بے حجابی
یہ عصمت فروشی ہے عصمت مآبی
مسلمان عورت ہے یا مُرغِ آبی
کہ بیٹے کو تانے چلی جا رہی ہے
زمیں بارِ عصیاں سے تھرا رہی ہے
بظاہر اسے کوئی مانے نہ مانے
کہ انکار کو سینکڑوں ہیں بہانے
بُری طرح پلٹا ہے قسمت نے پانسہ
بُری طرح کھایا ہے ملت نے جھانسہ
مسلمان دستار اپنی سنبھالیں
بہو بیٹیوں کی شرافت بچا لیں
ابھی وقت ہے فرصتیں آزمالیں
چلن دینِ حق کے مطابق بنالیں
تو آگے ہے اور موت پیچھے کہیں ہے
تو اِک شیر ہے، شیر بُزدل نہیں ہے
تری زندگی میں یہ طوفاں بپا ہو
کہ ناموس غیروں کے ہتھے چڑھا ہو
مسلمان عورت، دُکانوں پہ جائے
حیا سوز چہرے سے بُرقعہ اُٹھائے
دلوں پر نگاہوں کا سکّہ جمائے
تو دیکھے، مگر تجھ کو غیرت نہ آئے
مسلمان عورت وہ آوارہ خو ہے
جہاں دیکھئے گا اسے، روبرُو ہے
دُکانوں میں پھیلی ہوئی چار سُو ہے
شب و روز اغیار سے دو بدُو ہے
سرِ عام شورش پسند اس کا آہنگ
نہ مجمع سے خائف، نہ انبوہ سے دنگ
کہیں اس سے صرّاف کا قافیہ تنگ
کہیں بے حجابانہ بزاز سے جنگ
یہ ہیں کھلکھلاہانہ شانیں تمہاری
یہ ہیں چشمِ بد دُور آنیں تمہاری
حیا سوزیاں، خامشی سے گوارا
تمہیں آہ! تقلیدِ مغرب نے مارا
مری نظم ہے نوحۂ احتجاجی
بتائیں مجھے شہرِ لندن کے حاجی
عیاں جن کے اخلاق کی لاعلاجی
تنک ظرف، ملت کے مشہور پاجی
اگر آج روزِ قیامت بپا ہو
خدا و نبیؐ کا تمہیں سامنا ہو
بجز دین کے نہ کوئی آسرا ہو
جہنم سزا ہو کہ جنت جزا ہو
خدا کے لئے منہ نہ کھلوائیے گا
سنبھل جائیے، ہوش میں آئیے گا
خدا و نبیؐ کی اطاعت ہے پردہ
بہو بیٹیوں کی شفاعت ہے پردہ
خداوندِ کونین پردہ نشیں ہے
مشیت جب اسکی مخالف نہیں ہے
تمہیں کیوں عداوت ہے پردے سے ناحق
نہ ہوگا تمہاری طرح کوئی احمق
مزا جب ہے دُوئی کا پردہ اٹھاؤ
کرامت تو یہ ہے نظر ایک آؤ
ہے غفلت کا پردہ اٹھانے کے قابل
جلانے کے لائق، مٹانے کے قابل
تمہیں مغربیت نے انجان رکھا
ہے بیٹی کو مِس میو گردان رکھا

ایڈیٹر
عبید اللہ انور

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل
نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۵/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۷۳۰-۲۲۸۱ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء



